پاک و ہند میں

اسلامی خطّاطی

مصنّفہ

ڈاکٹر محمّد عبد اللہ چغتائی

کِتاب خانۂ نورس

(کاپی بک شاپ) اُردُو بازار۔ لاہور

۱۹۷۶ء

پاک و ہند میں

اسلامی خطّاطی

مصنّفہ

ڈاکٹر محمّد عبداللہ چغتائی

کتاب خانۂ نورس

(کاپی بک شاپ) اُردُو بازار۔ لاہور

۱۹۷۶ء

ناشر، مصنّف کتاب ہٰذا
ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی

ایورگرین پریس لاہور میں طبع ہوئی،

ٹائیٹل : حافظ محمد یوسف سدیدی لاہور

شائع کردہ
کتاب خانہ نورس
کبیر سٹریٹ اردو بازار۔ لاہور

قیمت : 15-00

فہرست مطالب

فہرست نمونہ جات

مدعا

مَیں نے دَوران مطالعہ ثقافت اِسلامی محسوس کیا ہے کہ اسلامی خط نے ابتدا سے ہی بین المِلّی اخوتِ اِسلامی کے انعقاد میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس وحدانیت نے خطِ اسلامی کو ایک منفرد حیثیت بخشی ہے جو کسی اور مذہب و مِلّت کے رسم الخط کو حاصل نہیں ہے اس کا منبع درصل قرآن کریم کا اپنا رسم الخط یا حروف ہیں جس وجہ سے اِسلامی خط نے تمام عالم میں یکساں صورت اختیار کی اور اس سے مساواتِ انسانی کی ترویج ہوئی اگرچہ ہر ایک لکھنے والے کا خط اپنے انداز میں دوسرے شخص کے خط سے مختلف ہوتا ہے جس طرح ہر شخص کا چہرہ دوسرے شخص کے چہرے سے مختلف ہوتا ہے مگر جب خط کو ذرا پابند قواعد و ضوابط کر کے لکھا جائے تو وہ فنونِ لطیفہ کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور اسے عام مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی لئے خط نے کئی طرزوں میں شکل اختیار کر لی ہے جن کے مختلف ماہر ہیں مگر فنون لطیفہ میں بھی خطِ اسلامی نے داخل ہو کر اسے حیا سوز اظہار سے بھی پاک رکھنا ہے یہی وجہ ہے کہ خطِ اسلامی میں غریب و امیر کی تمیز بھی اٹھ جاتی ہے اور سب برابر نظر آتے ہیں اور مساوات کا صحیح نظریہ محض خط اسلامی ہی پیش کرتا ہے جبکہ ایک بادشاہ بھی خواہش کرتا ہے کہ وہ بھی عام خطاطی میں اپنا کردار ادا کرے۔

اس عرصہ چودہ صدیاں اسلام کے درمیان خط اسلامی نے بذاتِ خود ایک زندہ تجربہ بھی پیش کیا ہے یعنی سنہ ۱۹۲۴ء سے ایک مسلمان ملک نے اِسلامی خط کو ترک کر کے لاطینی رسم الخط اختیار کر کے اخوتِ عالم اسلامی سے روگردانی کا باعث بنا اور وہ اس کے بعد بیگانہ نظر آنے لگا اور جو خدمات اسلامی ان لوگوں نے صدیوں سے کی تھیں۔ ان کو بھی ایک طرح بھلا دیا گیا اس کا احساس اب خود ان لوگوں کو ہے کہ وہ باقی اسلامی دنیا سے الگ مقام پر کھڑے نظر آتے ہیں حالانکہ وہ کلمہ گو ہیں اور ہمارے قریب بھی ہیں۔

یہاں پاک و ہند میں ابتدا سے مسلمانوں نے خط اسلامی کو رائج کیا اور ماہرین نے وہ خدمات انجام دی ہیں کہ

انسان ان کا مطالعہ ومشاہدہ کرتا ہے تو عش عش کرتا ہے جسے مختصر طور پر ان صفحات میں بیان کیا گیا ہے اور یہ تمام کارنامے مختلف صورتوں میں محفوظ بھی ہیں اگرچہ ان کارناموں کو بیان کرنے میں بعض غیر متعلق امور بھی زیر بحث آگئے ہیں مگر غایت میں وہ تاریخ ترویج خطِ اسلامی سے متعلق ہیں

حالات کے تحت خط کے ضروری عکسوں کو بھی شامل کیا ہے اگرچہ اس گرانی کے زمانہ میں یہ امر بہت مشکل ہے جس کے لئے معذرت ہے اور مقصد محض اپنی ثقافت اسلامی کا یہ ضروری پہلو پیش کرتا ہے۔ جعفر مکی نے ایک دفعہ اسلامی خط سے متعلق کہا تھا۔ الخط خیط الحکمۃ منظم منشورھا

و یفضل فیہ شذ ودھا

یعنی خط حکمت کا دھاگا ہے جس میں حکمت کے بکھرے ہوئے موتی پروئے جاتے ہیں اور اس کے ذریں دانے ممتاز رہتے ہیں۔

محمد عبداللہ چغتائی

۱۵۔ ایف۔ گلبرگ (۱۱) لاہور

گذارش

اس ضروری اور اہم تاریخی بیان خط اسلامی کے لئے حوالہ جات۔ حواشی اور دیگر تصریحات ضروری امور ہیں جن کو یہاں ربط بیان کی وجہ سے حذف کر کے آخیر بحوالہ صفحہ وسطر وغیرہ درج کیا گیا ہے تاکہ مطالعہ کے دوران اس سے پورا استفادہ کیا جائے اور اسے بھی اس تمام مسودہ کا اہم حصہ تصور کیا جائے۔

برصغیر پاکستان و ہند میں خطِ اسلامی کا مختصر بیان

تمہید

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ پاک و ہند میں خطِ اسلامی کا نفاذ مسلمانوں کی سیاسی فتح سندھ کے بعد ہوا، جو اول صدی اسلام میں ۹۳ھ میں خلیفہ ولید بن عبدالملک اموی کے عہد میں زیر قیادت محمد بن قاسم الثقفی ہوئی تھی۔ اگرچہ مسلمان اس سے بھی قبل یہاں تاجر عربوں کے ہمراہ مغربی ہند کے ساحل پر بطور تاجر یا مبلغ اسلام آ چکے تھے کیونکہ عربوں کے قیام کا ثبوت علاقہ بمبئی میں بعض قدیم کتبات سے اگرچہ ملتا ہے مگر مقام نالہ سپارہ و تھانہ (تانہ) بمبئی کے قرب و جوار میں اس کے علاوہ بعض عربی تاریخوں سے بھی ملتا ہے، اور مدراس کے ساحل پر بھی ریاست ٹریونڈرم کے اردگرد قدیم زمانے سے عربوں کی تجارت تھی جس کا ثبوت یہاں مقام کلم میں ایک قدیم مسجد کے کتبہ سے بھی ملتا ہے جسے مالک بن دینار مبلغ اسلام نے ۱۰۹ھ میں بنایا تھا۔ اتفاق سے اس قدیم مسجد کی محراب والی دیوار پر آج بھی مندرجہ ذیل یہ کتبہ موجود ہے۔

"اسمٰعیل بن مالک ۱۰۹ھ بن دینار"

یہ کتبہ وہاں مسجد کی عقبی دیوار پر محراب کے قریب تین سطروں میں خط نسخ میں لکھا ہوا ہے اور اس کے علاوہ بمبئی کے علاقہ نالاسوپارہ اور نوساری وغیرہ سے بھی اسی قسم کے شواہد ملتے ہیں کہ جن سے واضح ہوتا ہے کہ مغربی ساحل پر مسلمان عربوں کی قدیم تاجرانہ بستیاں تھیں اور اسی لئے بعض محققین نے بیان کیا ہے کہ خط عربی اپنی ذاتیاتی جغرافیائی حدود سے بھی بہت آگے نکل گیا تھا۔

محمد بن قاسم نے باقاعدہ سندھ کو ۹۳ھ میں فتح کیا اور اس کے بعد اس نے آگے بمقام سندھ الرور اور ملتان تک بلکہ بعض شواہد سے یہ بھی ملتا ہے کہ آگے دیپالپور تک علاقہ میں عرب پہنچ گئے تھے اور سندھ میں یہ سلسلہ عرب سلطنتِ اسلامی قریب ۲۹۰ھ تک رہا کیونکہ جو آخیر یعقوب بن لیث صفار پر ختم ہوتا ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ سندھ کی ملکی زبان اس

فتح سے قبل عربی نہیں تھی اور نہ یہاں کی قدیم زبان ہندی عربی رسم الخط کے طور پر لکھی جاتی تھی مگر بلاذری نے فتوح البلدان میں سندھ کی فتح کے ضمن میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں ملکی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ بھی کیا گیا۔ اسی طرح عربی زبان کے ساتھ ساتھ عربی رسم الخط بھی رواج پاتا گیا۔

پاکستان گورنمنٹ کے محکمہ آثار قدیمہ نے کچھ عرصہ یہاں ٹھٹھہ اور کراچی کے درمیان بمقام بھنبھور کھدائی کرائی تھی وہاں ایک بلند متوازی ہموار چبوترہ بھی دستیاب ہوا جہاں سے چند قدیم عربی زبان کے نہایت اعلیٰ کوفی رسم الخط میں کتبات متعلق مسجد بھی دستیاب ہوئے جو سنگ مرمر پر کندہ ہیں اور ان کا زمانہ محققین نے ۲۵۹ھ اور ۲۹۴ھ مقرر کیا ہے۔ ان کے صحیح مقامی کتبات ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اور ان کی دریافت سے یہ مسئلہ طے پا جاتا ہے کہ یہ کوفی رسم الخط یہاں اس اعلیٰ معیار پر رائج ہو چکا تھا۔ میرے نزدیک یہ اعلیٰ طرز کوفی کے کتبات کافی ثبوت ہیں کہ یہاں خط اسلامی کا رواج اعلیٰ پیمانہ پر موجود تھا۔ اور اس کے علاوہ یہی طرز کوفی اس وقت عالم اسلامی میں ایک عام طرز کتبات میں ملتا ہے۔ اتفاق سے خلیج فارس کے کنارے مقام سیراف میں ایک قدیم مسجد دریافت ہوئی ہے جس پر اسی طرز کوفی میں کتبات دستیاب ہوئے ہیں جس طرح ہم آج یہاں بھنبھور میں پاتے ہیں اور یہ کوفی کتبات سیراف اور بھنبھور تاریخی اعتبار سے معاصر ہیں۔ ان کتبات بھنبھور کی تاریخ جو ان پر درج ہے جیسا کہ اوپر ہم نے درج کر دیا ہے واضح ہے کہ یہاں کا معیار کتابت کوفی اسلامی دنیا کے بالکل متوازی قائم ہو چکا تھا بلکہ یہ حقیقت ہے کہ ابھی تک یہی کوفی رسم الخط ہی ایسے مطالب کے لئے عام رائج تھا اور یہی خط ہمیں معاصرانہ طور پر وہاں کے اسلامی سکوں پر بھی ملتا ہے جو یہاں سندھ سے دستیاب ہوئے ہیں۔ اتفاق سے پشاور کے عجائب گھر میں چند قدیم اسلامی کتبات پتھر پر کھدے ہوئے محفوظ ہیں جو گرد و نواح کے علاقہ میں دستیاب ہوئے ہیں ان کا بھی زیادہ تر وہی رسم الخط جو اس وقت عام تھی غرضیکہ یہ ابتدائی صورت خط اسلامی یہاں پاک و ہند میں رواج پا گئی تھی اور تیسری صدی ہجری کے اختتام پر پاک و ہند میں یہ ایک رسمی کیفیت خط اسلامی کی تھی۔ اس طرح معاصرانہ طور پر ہند و پاک بھی دیگر اسلامی ممالک کے برابر معیار فن کتابت رکھتا تھا

یہ تمام داستان خط اسلامی بہت دلچسپ ہے جس کا آغاز مقام حائرہ نزد کوفہ سے ہوا تھا اور مکہ و مدینہ میں اگر اس نے خاص اہمیت حاصل کر لی تھی جہاں دراصل اس عربی خط کا بحیثیت خط اسلامی انعقاد ہوا تھا اور قرآن کریم کو باقاعدہ اس میں لکھا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی میں سب سے اول لکھا۔ کوفہ کے نزدیک دوسری صدی اسلام

کے نصف میں خلفائے بنو عباسیہ نے بغداد ایک مرکز ثقافت اسلامی قائم کیا تھا جہاں خط اسلامی کے لکھنے کے طریقے وزیر ابو علی بن مقلہ متوفی ۳۲۸ھ نے وضع کئے جب اس خط اسلامی نے خط المنسوب کا نام اختیار کیا اور اس طرز نے خط کوفی کی جگہ لے لی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مسلمانوں نے ایران و توران فتح کر لئے تھے جس کے بعد فوراً وہاں عربی رسم الخط رائج ہوا بلکہ ایران کی ملکی زبان فارسی بھی اسی رسم الخط میں لکھی جانے لگی جس سے تمام ایشیا اور مشرق قریب میں یہی خط اسلامی رائج ہوا اور آج تک ہے۔

عہد سلاطین غزنہ

شمال کی طرف سے سلطان محمود غزنوی نے پشاور اور (موجودہ ہند) پر ۳۹۹ھ میں چڑھائی کی اور انند پال کو شکست دی اور آگے بڑھ کر اس نے دریائے جہلم کو عبور کر کے بھیرہ سے گزر کر ملتان کو فتح کر لیا غرضیکہ اس نے لاہور کو اس کے فوراً بعد ۴۱۳ھ میں فتح کر لیا اور یہاں اس نے اپنا مستقل مقام قائم کر لیا یعنی لاہور اس طرح سلطنت غزنوی کا شمال میں ایک مرکز قائم ہو گیا ہمیں غزنوی عہد کی تاریخ بہقی کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے جو دراصل سلطان مسعود بن سلطان محمود کے عہد میں لکھی گئی یعنی یہاں باقاعدہ دفتر دیوانی قائم کیا گیا اور یہاں باقاعدہ قلم و دوات اور کاغذ بھی عمدگی سے دستیاب ہونے لگا۔ مسلمان اسلامی خطاطی اپنے ہمراہ لائے۔ ان سے قبل یہاں کاغذ بھی نہیں تھا جو ایک اہم مسئلہ تھا بلکہ تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ دریائے اٹک سے گزر کر اس طرف جہاں آج حسن ابدال ہے باقاعدہ تعلیم اسلامی کے مدرسے بھی عہد غزنوی میں قائم کئے گئے اور ایک فوجی جرنیل سارو غ کو یہاں ان امور کے لئے بطور مہتمم مقرر کیا گیا جبکہ آیارق حاجب سالارِ ہند تھا۔ اس زمانہ سلطنت غزنوی میں ایک اعلیٰ کاتب قرآن "محمود وراق" کا ذکر بھی ملتا ہے یعنی یہاں عام طور پر سلطنت اسلامی اسی اعلیٰ معیار پر قائم تھی اور عالم اسلامی مرکزی کے متوازی یہاں کتابت کا رواج ہو گیا تھا اور ملک کی زبان بھی عربی و فارسی عام تھی۔ آج بھی موجودہ ٹیکسلا کے گرد و نواح میں ان قدیم اسلامی اداروں کے کھنڈر ملتے ہیں۔ افسوس کسی نے مطالعہ نہیں کیا۔

قیام سلطنتِ غزنوی سے یہاں پاک و ہند میں اسلامی سلطنت کا آغاز ہوا اور لاہور ان کا دارالخلافہ قرار پایا یعنی قریب ۴۰۰ھ سے لے کر آج تک یہاں پاک و ہند میں اسلامی علوم و فنون کا چرچا رہا جن کے لئے لازمی تھا کہ فن خطاطی کا معیار بھی ساتھ ساتھ ترقی کرتا اور اس ابتدائی دور میں لاہور شہر کے اندر اندر کافی نامور شعرا و ادبا پیدا ہو گئے جن میں سے خاص کر شعرا میں ابوالفرج رونی اور مسعود سعد سلمان خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو یہاں کے باشندے بھی تھے جنہوں نے لاہور کی تعریف میں بھی قصائد

لکھے ہیں اور سلاطین عہد غزنہ کے اور سلطان ملک خسرو کے زمانہ تک لاہور ان کا صدر مقام رہا۔

محمد عوفی نے لباب الالباب میں فرید الکافی کے ذکر میں لکھا ہے جب وہ نیشاپور میں سید الکتاب جمال الدین لاہوری دیوان انشار ملک موید کی خدمت میں تھا تو فرید الکافی کا ذکر جب گفتگو میں آیا تو اس نے فوراً غلام کو اشارہ کیا کہ خریطہ لے آؤ تاکہ فرید الدین کے مکتوب کا جواب لکھ دیا جائے جس کا خط واقعی ابن مقلہ کی روش پر تھا جسے ابن بوّاب نے فروغ دیا تھا اور بقول عوفی لاہور میں امیر ثقۃ الدین جمال الفلاسفہ در صل سلطان خسرو ملک غزنوی کے زمانہ میں لاہور میں متبرک مزاروں میں آپ کی تربت شمار ہوتی تھی ہر آدمی جو یہاں آتا اس کی مشکل کشائی ہوتی۔ اسی طرح عوفی نے لباب الالباب میں ایک فصل فضلا غزنیں و لاہور کے ضمن میں شعرائے کے تحت اس نے حمید الدین مسعود بن شالی کوب کے ذکر کے تحت بیان کیا ہے کہ میں نے لاہور میں ایک بزرگ سے سنا کہ اس کا قط صفت قلم میں واقعی لطیف اور مشہور ہے اسی طرح اس نے معز الاسلام نجیب الدین ابوبکر الترمذی خطاط کا بھی ذکر کیا ہے اس زمانہ کے فضلا میں اس کا خط لطیف تھا۔

ہر خط کہ او نویسد شیریں از آں بود،

کہ آں ہست صورت سخناں چو شکرش

اس متذکرہ بالا عوفی سے ایک طرح یہ واضح ہو جاتا ہے کہ طرز و رسم کے اعتبار سے عام طور پر لوگوں میں اس وقت بن مقلہ متوفی ۳۲۸ھ اور اس کے شاگرد ابن بواب متوفی ۴۲۳ھ ضرب المثل عام تھے یعنی اس وقت لوگوں میں عام لکھنے میں خط المنسوب تھا۔

اس متذکرہ عہد سلاطین غزنہ کی حکومت کے شمالی ہند یعنی موجودہ پاکستان میں جو نمونے خطاطی کے آج بھی ملتے ہیں، ان کی طرف ہم نے متذکرہ بالا سطور میں اشارہ کر دیا ہے مگر ان کے علاوہ بعض ایسے مصدقہ نمونے بھی ملتے ہیں جن کا بیان ناگزیر ہے جن میں اول سلطان محمود غزنوی کا وہ سکہ ہے جو فوراً اس کی فتح کے بعد بہال لاہور میں ۴۱۳ھ میں جاری ہوا۔ اس کے ہر دو طرف عربی اور سنسکرت میں عبارتیں الگ الگ لکھی گئیں ہیں جسے مقامی طور پر ٹنکہ کہا جاتا تھا اور خاص کر وہ سکہ آج محفوظ ہے جو سلطان نے لاہور میں جاری کیا اور اس پر لاہور کا نام محمود پور لکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک کتاب کا مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے اس کا نام و اس کا ترقیمہ ذیل میں درج ہیں۔

نام: بہجتہ النفوس والاسرار فی تاریخ الهجرة المختار۔ بعبید اللہ بن عبد الملک

بن عبداللہ ترقیمہ: کان ذالک فی یوم الثامن والعشرین شہر جمید الثانی سته ست و ثلاثین و اربعمائة من الهجرة البنجبه فی لوهور کتبه ابو حامد بن ابو ایوب البخاری اللهم۔

یعنی یہ کتاب لاہور میں ۴۳۶ھ میں کسی کاتب ابو حامد نے لکھی ہے۔

مگر اتفاق سے مَیں نے شہر احمد آباد (گجرات کاٹھیاواڑ) میں ایک قدیم مسجد جو آج مسجد کانچ کے نام سے مشہور ہے۔ ایک قدیم کتبہ کا چربا حاصل کیا جو اس مسجد کی قبلہ دیوار میں محراب سے ذرا الگ محفوظ کر دیا گیا ہے۔ جس کی عبارت یہ ہے۔ (دو سطور میں)

هذا المسجد فی الرابع والعشرین من ربیع الاوّل
وسنه خمس و اربعین و اربعمائة

اور اس عربی کتبہ کے دائیں اور بائیں طرف مندرجہ ذیل عبارت دو الگ پتھر کے ٹکڑوں پر لکھوا کر لگا دی گئی ہے۔

ایں تاریخ قدیم است   یافتہ شد از بنیاد ایں مسجد

یعنی اس مندرجہ فارسی کتبہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ عربی کتبہ ۴۴۵ھ کا کسی قدیم مسجد کے متعلق ہے اور جب موجودہ مسجد زیر تعمیر ہوئی تو اس کی بنیادوں سے یہ قدیم کتبہ برآمد ہو گیا اور اس طرح اس کی وضاحت کر دی گئی حسنِ اتفاق سے بعض موجودہ مساجد قدیم مساجد کا احیاء ہیں۔ بہرحال طرزِ نسخ "عربی قدیم عبارت سے واضح ہے اور یہی ہم دیگر مقامات پر اسی عہد کی طرزِ تحریر کو بھی دیکھتے ہیں۔ غرضیکہ یہ چند مصدقہ نمونے جو اس عہدِ غزنہ سے پاک و ہند میں واقعی موجود تھے یہاں بیان کئے جا سکتے ہیں۔ جن کا راقم نے خود مطالعہ کیا ہے ممکن ہے دیگر نمونے بھی بعض مجامع میں موجود ہوں جو ہماری معلومات سے دُور ہیں بمبئی میں پرنس آف ویلس میوزیم بمبئی میں مَیں نے قدیم قبروں کے بعض تعویز دیکھے ہیں جن سے ابتداء میں بیان کئے گئے بمبئی کے مقامات میں مسلمانوں کے قیام کی تصدیق ہوتی ہے۔

غرضیکہ ہم نے متذکرہ بالا سطور میں عہدِ غزنہ (۵۸۲ھ) تک پاک و ہند میں اسلامی خطاطی کے ارتقا کی طرف اختصار کے ساتھ اشارہ کیا ہے کہ یہاں مشاہیر کتاب ابن مقلہ اور ابن بواب تک کی خطاطی کے کارناموں کی وجہ سے لوگ جانتے تھے۔ اور یہ دراصل ۵۸۷ھ تک کا مختصر جائزہ ہے جس کے بعد یہاں مستقل اسلامی مرکزی سلطنت کا آغاز ۵۸۸ھ سے ہوا۔

خدمات صوفیائے کرام وعلمائے دین

اگر ہم فنِ کتابت کی ابتدا کا ہند و پاکستان میں صحیح جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ صوفیائے کرام نے بھی بطور مبلغین اسلام ابتدا سے ہی اس ضمن میں خاص کردار ادا کیا ہے۔ ان صلحا نے اپنے ملفوظات و ہدایات کو عوام تک ان کی مقامی بولی میں تحریر کر کے مختلف علاقوں تک پہنچایا۔ اس ضمن میں سب سے اول ہماری نگاہ حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ پر پڑتی ہے جن کو عام طور پر ان کے روحانی فیوض کی وجہ سے حضرت داتا گنج بخش بیان کیا جاتا ہے وہ یہاں لاہور میں غالباً سنہ ۴۲۵ھ میں آ گئے تھے۔ انہوں نے یہاں تلقین و ہدایت کا آغاز کیا اور ہزارہا جہلا کو راہِ حق کی طرف کھینچا۔ آپ نے یہاں اپنی مشہور کتاب کشف المحجوب فارسی زبان میں یہاں لکھی جس کا آج قدیم ترین نسخہ بھی حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی متوفی ۶۱۱ھ کی قلم کا لکھا ہوا میسر آ کر طبع بھی ہو چکا ہے۔ اس طرح یہاں تصوّف کی تعلیم تبلیغ اسلام کا چرچا ہوا اور تصوف کی تعلیم عام ہوئی حضرت ہجویریؒ کا یہاں انتقال غالباً سنہ ۴۶۵ھ کے بعد ہوا، مگر یہاں لاہور میں حضرت ہجویریؒ سے پیشتر بعض علمائے دین حضرت سید اسمٰعیل بخاری جیسے بھی لوگوں کو تعلیم اسلام دیتے رہے جس کا انتقال یہاں لاہور میں سنہ ۴۴۸ھ میں ہوا تھا۔ آج لاہور میں ہال روڈ پر ان کی قبر موجود ہے۔ غرضیکہ عہد سلاطین غزنہ تک یہاں یہ علوم باقاعدہ رائج ہو چکے تھے اور یہ سب کتابت کے فن سے متعارف تھے۔ ابوالفتح عبدالصمد بن عبدالرحمٰن لاہوری نے سمرقند میں علم حاصل کیا اور ۴۲۹ھ میں لاہور میں آ کر تعلیم دی اور یہاں وفات پائی۔ ابوحسن علی بن عمر بن حکم لاہوری محدث ہونے کے علاوہ ادیب اور شاعر بھی تھے ان دونوں علما کا تذکرہ سمعانی نے کتاب الانساب میں کیا ہے۔ اسی طرح عمرو بن سعید لاہوری کا ذکر یاقوت حموی نے معجم البلدان میں کیا ہے غرضیکہ علم کتابت اور فن خوشخطی یہاں رائج تھے۔

عہد سلاطین معزّیہ

سلاطین غزنہ کے بعد فوراً دو بڑی تبدیلیاں ظہور میں آئیں اوّل تو دارالحکومت لاہور کی بجائے دہلی قرار پا گیا اور سلاطین غوریہ برسرِ اقتدار آ گئے بلکہ سیاسی طور پر ہمیں یہ تصور کرنا ہوگا کہ اسلامی سلطنت سلاطین غوریہ کی ایک طرح وسط ایشیا سے لے کر ہندوستان کے مرکز دہلی تک پھیلی ہوئی تھی اور اسلامی ثقافت کا یہ لہراتا ہوا سمندر نظر آتا تھا یعنی اس ماحول میں حکومت اسلامیہ ہند کی زبان فارسی تھی اور وسطِ ایشیا میں ان کا دارالحکومت بجائے غزنہ کے اگرچہ "فیروزکوہ" تھا۔

خوش قسمتی سے غوری خاندان کی اس ابتدائی زمانہ کی عظیم الشان عمارات آج بھی دہلی۔ اجمیر۔ بداون۔ ہانسی وحصار اور کیتھل وغیرہ میں موجود ہیں جو ابتداء سے لے کر سلطان شمس الدین التمش کے عہد (۶۳۲ھ) تک کی شمار ہوتی ہیں خصوصیات سے ان میں سے مسجد قوۃ الاسلام دہلی اور اجمیر میں جامع مسجد جو اڑھائی دن کا جھونپڑہ کے نام سے مشہور ہیں اور اسی طرح دوسرے مشہور مقامات پر بھی ہیں اور اتفاق سے یہ موجودہ عمارات بہترین نمونہ فن تعمیر ہیں اور ان کو نہایت اعلیٰ عربی وفارسی کتبات سے مزین بھی کیا گیا ہے جو ہمارے سامنے بہترین نمونہ کتابت بعہد غوری پیش کرتے ہیں اور قریب قریب خط کی تمام طرزوں میں ان کو لکھا گیا ہے چونکہ ہمیں محض کیفیت خط اسلامی (خوش خطی) کو پیش کرنا ہے اس لئے ہمیں قطع نظر تفصیل عمارت یہاں محض خط کی حد تک ان کتبات کے نمونوں کا مطالعہ کرتے ہیں جن سے بہتر اس عہد کا دیگر نمونہ بھی میسر نہیں ہو سکتا چنانچہ مسجد قوۃ الاسلام کے مشرقی دروازہ کا جو کتبہ ۵۸۷ھ میں لکھا گیا جس سے واضح ہے کہ خط کے اعتبار سے یہ خط کی طرز ثلث کا نمونہ ہے۔ اس کے بعد یہاں کتبہ شمالی دروازہ کا مورخہ ۵۹۲ھ کا ہے جو واقعی اس خط ثلث سے مختلف خط نسخ میں ہے یہاں کتبہ سے واضح ہے کہ قطب الدین ایبک نے مسجد کی بنیاد رکھی اور دوسرے کتبہ سے صاف ملتا ہے کہ مسجد کے اختتام پر سلطان معزالدین محمد بن سام نے اس کا افتتاح کیا چنانچہ اصل الفاظ کتبہ کے یہ ہیں ۔" بسم اللہ الرحمن الرحیم: واللہ یدعو الی دارالسلام ویہدی من یشاء الی صراط مستقیم (یونس۔۲۵)

"فی شہور سنہ اثنی و تسعین و حمد اللہ حبرت هذا العمارة بعالی امر
السلطان المعظم معزالدنیا والدین محمد بن سام ناصر امیرالمومنین"۔

اس کے بعد ہم ایک اور کتبہ بائیں طرف درمیانی بڑی کمان مسجد قوۃ الاسلام کا پیش کرتے ہیں جس کے آخیر تاریخ ۵۹۴ھ سال یوں درج ہے مگر یہ تمام کتبہ کمان پر خط کوفی منقش میں ہے۔

"تاریخ العشرین من ذی القعدہ سنہ اربع و تسعین وخمسمائه"

یعنی ہم نے اس عمارت کو ایک مثالی عمارت کی حیثیت دے کر تاریخی حیثیت سے قریب قریب تمام متداول طرز میں خط کی مطالعہ کی ہیں کہ اس وقت تک یہاں پاک و ہند میں خط کا ارتقا اسقدر ہو چکا تھا اور اس سے بہتر نمونہ ہمیں کہیں اور جگہ میسر نہیں آسکتا ہے اتفاق سے آج بھی یہ موجود ہے بلکہ دنیائے اسلام میں یہ نمونے بذات خود مثالی حیثیت رکھتے ہیں۔

ان مثالوں کے بعد ہم ویسے خطاطوں اور ماہرین خط کی عام حالت کا اپنے معاشرہ میں جب مطالعہ کرتے ہیں تو

ہمیں وضاحت سے ملتا ہے کہ ابھی تک یہاں کاغذ اس قدر فراوانی سے میسر بھی نہیں تھا چنانچہ فوائد الفواد (مطبوعہ لاہور ص ۴۴) مجلس بست وششم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔

”شیخ نجیب الدین متوکل علیہ الرحمۃ نے بارہا یہ چاہا کہ جامع الحکایات کو لکھیں۔ وجہ معاش تنگ تھی اور کتابت اور نساخ کی اجرت بہت مشکل سے ادا ہوتی تھی۔ اگر کاتب ہوتا تو کتابت کی بصیرت نہ ملتی۔ اگر اجرت ملتی تو کاغذ اور دوسرے اسباب حاصل نہ ہوتے الغرض ایک روز ایک حمید نام نساخ (کاتب) آپ (شیخ فریدالدین شکر گنج) کی خدمت میں آیا شیخ صاحب نے فرمایا کہ میری دیر سے یہ خواہش ہے کہ جامع الحکایات لکھوں لیکن کسی طرح یہ خواہش پوری نہ ہوئی۔ حمید نے پوچھا اب اس وقت کچھ موجود ہے۔ فرمایا ایک درم۔ حمید نے اس درم کا کاغذ خریدا اور کتابت شروع کی ابھی وہ کچھ لکھنے نہ پایا تھا کہ کچھ اور فتوح مل گئی۔ کاغذ کی دوسری جزو کی قیمت اور کتابت کی اجرت ادا کی۔ بعد ازاں متواتر فتوح پہنچتی رہی اور وہ کتاب جامع الحکایات جلدی ہی بخوبی ختم ہوئی۔“

اس زمانہ میں ایک صاحب قاضی فخرالدین تھے جو ”ناقلہ“ یعنی کتابیں نقل کرنے پر متعین تھے۔ یہ ایک طرح عام کیفیت خطاطی کی تھی۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد سے متعلق تاریخ فیروز شاہی (ص ۱۱۷) میں لکھا ہے کہ جو کاتب بھی قرآن کریم لکھ کر اس کے سامنے پیش کرتا وہ اس کو ہدیہ ادا کرتا اور اس نسخہ قرآن کو لے لیتا اور ہر مستحق شخص کو دے دیتا جو قرآن پڑھنا جانتا ہوتا۔ یا یہ خواہش کرتا کہ وہ اس کا مطالعہ کرے گا۔

سلطان بلبن کے لڑکے خان شہید کے بیان میں لکھا ہے کہ جس زمانہ میں وہ ملتان کا حاکم تھا اور امیر خسرو اور خواجہ حسن سجزی جیسے شعرا و ادبا اس کے مصاحب تھے ان کی شعر فہمی اور شعرا کی مجلس کا بہت چرچا تھا۔ فرشتہ نے امیر خسرو سے نقل کیا ہے کہ میں نے جدت طبع اور دریافت معنی و دقیق شناسی اور یادداشت اشعار متقدمین اور متاخرین میں کسی کو مثل شہزادہ محمد سلطان کے کم دیکھا ان کے ہاں ایک بیاض اشعار تھی۔ تقریباً بیس ہزار بیت بہ سلیقہ عالی کتب متقدمین میں انتخاب کر کے نہایت خوش خط میں خود لکھے تھے۔ امیر خسرو اور خواجہ حسن سجزی کی وجہ سے وہ اشعار پسندیدہ منتخب ہو گئے تھے۔ سلطان بلبن نے وہ بیاض شہزادہ کی شہادت کے بعد امیر علی جامدار کو عنایت فرمائی۔ وہ بیاض امیر خسرو کے قبضہ میں آئی جس سے دیگر شعرا نے بھی اپنے ذوق کے مطابق اشعار نقل کئے یہ ایک عجوبہ روزگار تھی اس کے متعلق فرشتہ نے لکھا ہے۔ ”بخط خوب نوشتہ بود“۔

سلاطین کے ضمن میں کتابت کا اکثر ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ قرآن کریم لکھا کرتے تھے چنانچہ یہ عام طور پر سلطان ناصر الدین محمود بن سلطان شمس الدین التتمش کے متعلق مشہور ہے کہ وہ قرآن لکھا کرتے تھے۔ فرشتہ نے تاریخ نظام الدین احمد (طبقات اکبری) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سلطان ایک سال میں قرآن کے دو نسخوں کی کتابت کیا کرتے تھے اور ان کا ہدیہ سلطان کی اپنی وجہ قوت خاص میں صرف ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک قرآن شریف جو سلطان کا لکھا ہوا تھا ایک امیر نے اس کا ہدیہ زیادہ ادا کیا۔ جب سلطان کو اس کا علم ہوا تو وہ خوش نہیں ہوا تو حکم دیا کہ میری کتابت پوشیدہ کو متعارف قیمت پر فروخت کرتے رہیں۔ ایک شخص آپ کے ہاں اس وقت آیا جب آپ کتابت قرآن کریم میں مصروف تھے اس کی نظر قرآن مجید کی کتابت پر پڑی جہاں لفظ "فیہ - فیہ" دو بار لکھا گیا تھا۔ اس لئے سلطان سے عرض کی کہ ایک "فیہ" زیادہ ہے۔ سلطان نے فوراً قلم دوات طلب فرمائی تو ایک "فیہ" کے دَور میں حلقہ کھینچ دیا یعنی دور کر دیا تو پھر اس شخص کی حاجت روائی کی اور خوش دلی سے رخصت کر دیا۔ اس کے جانے کے بعد قلم تراش لے کر اس حلقہ کو تراشا جب کہ ایک غلام حاضر تھا اس نے عرض کی حلقہ کھینچنے کی کیا وجہ تھی پھر حک کرنے یعنی کھرچنے کی کیا ضرورت تھی۔ بادشاہ نے فرمایا۔ وہ محتاج آیا تھا اگر اس وقت میں کہتا غلط نہیں ہے تو اس کا عیب ظاہر ہوتا اور پھر شرمندہ الگ ہوتا۔ اس واسطے میں نے حلقہ کھینچ دیا تھا اور پھر دور کر دیا کہ لکھے ہوئے کاغذ کو کھرچنا بہت آسان ہے۔ حک غبار اس کدورت سے کہ کسی کے دل پر بیٹھے۔

یہ متذکرہ بالا واقعہ سلطان ناصر الدین محمود بحیثیت کاتب قرآن کریم بہت اہم اور عجیب و غریب ہے۔ اس سے فن کتابت کا معیار اور اجرت کتابت کا معمول کے مطابق ہونا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ بہر حال اس عہد سلاطین غوریہ کا خاتمہ بلبن اور اس کی اولاد پہ ہوتا ہے اور اس عہد پر اس ضمن میں ضیاالدین برنی نے اپنی تاریخ فیروز شاہی میں (۶۹۱م) پر ملک نظام الدین اور قوام الدین کے متعلق لکھا ہے اگر ملک نظام الدین داد بک اور ملک قوام الدین علاقہ دبیر اس کے عائد نہ ہوتے تو حکومت ایک ہفتہ بھی قائم نہ رہتی جو رائے اور تدبیر میں جواب نہیں رکھتے تھے اول تو انتظام امور ملکی اور دوسرے ہنر سے بہرہ ور تھے چنانچہ قوام الدین کے متعلق لکھا ہے۔

ملک قوام الدین علاقہ - عمدۃ الملک و مشرف بھی تھا وہ فضل ابلاغت اور دبیری و انشا میں یکتائے روزگار تھا۔ دبیری و سرو دبیری میں مہارت تامہ رکھتا تھا۔ اگر بہاؤ الدین بغدادی۔ رشید الدین وطواط معین اہم جو قدیم زمانے میں مشہور دبیر و

منشی گزرے ہیں ملک قوام الدین کی مراسلات دیکھتے تو تعجب سے انگشت حیرت دانتوں میں دبا لیتے لکھنوتی کا فتح نامہ لکھنے میں اس نے کیا جادو بیانی سے کام لیا تھا۔

اس عہد کے ضمن میں خالصتاً فن خطاطی کے حسن سے متعلق عرض ہے کہ بعض کتبات ملتے ہیں جن کو مختصر طور پر ہم نے اوپر بیان کر دیا ہے اور اس کے علاوہ ہم نے چند فرامین بھی عہد بلبن کے دیکھے ہیں جن کے سرنامہ پر طغریٰ نما بادشاہ کے القاب وغیرہ بھی دیکھے ہیں اور ساتھ ہی اس عہد کے بعض سکے بھی میسّر ہیں۔ جن سے اس عہد میں کتابت اور فن کا معیار ملتا ہے۔

غرضیکہ عہد سلاطین معزیہ یعنی سلاطین غزنہ کے عہد سے لے کر بلبن کے عہد کے اختتام تک یہاں عام اسلامی ماحول ایک اعلیٰ متمدن ملک کا پیدا ہو چکا تھا اور اس وقت تک یہاں تاج المآثر۔ تاریخ فخر مدبر۔ آداب الحرب والشجاعتہ۔ لباب الالباب عوفی۔ طبقات ناصری اور فوائد الفواد وغیرہم جیسی مستند کتب عام اعلیٰ کتابت میں اس وقت میسر تھیں۔ یہ تمام متذکرہ بالا کتب ابتدائی اہل علم کی آج بھی موجود ہیں۔ ان تمام مصنفین نے یہاں علوم کے ضمن میں اعلیٰ خدمات انجام دی تھیں اور یہ تمام کارنامے فن کتابت سے وابستہ تھے۔

اس طرح خط اسلامی کی اشاعت ہوئی۔ ویسے اصولاً خط اسلامی کا معیار یا خاص طرز میں اس کے لکھنے والے پر موقوف ہے جب یہاں باقاعدہ سلطنت کا انعقاد مرکز میں ۵۸۶ھ سے ہو چکا تھا اور اسی زمانہ میں دہلی میں مسجد قوۃ الاسلام کی تعمیر ہوئی تھی جس پر آج تک پتھر پر کھدے ہوئے کتبات کئی طرزوں میں بحیثیت اعلیٰ نمونہ خط اسلامی بھی موجود ہیں اور آج تک یہ تمام اقسام اور طرزیں متداول ہیں غرضیکہ ہم خط اسلامی کا ہند و پاکستان میں عام ایک چرچا ساتویں صدی ہجری میں ہر طرف بخوبی مشاہدہ کرتے ہیں۔

عہد خلجی میں خط اسلامی

میرے نزدیک پاک و ہند میں ساتویں صدی ہجری کے اختتام پر عہد خلجی سے ایک ایسے عہد کا آغاز ہوا جو اپنی پیشرو سلطنتوں سے زیادہ اسلامی کہلایا جا سکتا ہے یعنی اس وقت ثقافت کے اعتبار سے ماحول یہاں زیادہ اسلامی ہو کر ایک معیار قائم ہو چکا تھا ویسے دار الحکومت دہلی ہی رہا۔ خط کے ارتقا کے ضمن میں عرض ہے کہ اس کا معیار بھی اسی وجہ سے اور بلند ہو گیا جس کا ہم زیادہ اس عہد کی عمارتوں کے کتابات اور بعض مخطوطوں سے مطالعہ و مشاہدہ کرتے ہیں اگرچہ اس عہد خلجی

کے قدیم ملفوظات بھی آج بعض کتاب خانوں میں محفوظ ہیں۔ ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروزشاہی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس عہد میں بعض مصور، مطلا و مذہب مخطوطے بھی تیار ہوتے تھے اور ملک علاء الدین و شہاب الدین مشہور خطاط تھے بلکہ بعض ادارے بھی خطاطی کے نمونے تیار کرتے تھے چونکہ اس عہد کی اکثر عمارتوں کے کتبات چھپ بھی چکے ہیں جن سے اس عہد کی خطاطی کا معیار واضح ہے۔ میں نے مقام بیانہ سے ایک قدیم کتبہ متعلق قاضی مغیث الدین مطالعہ کیا جس سے واضح ہے کہ قاضی موصوف کو جاگیر عطا کی گئی تھی جو بذات خود اعلیٰ خط ثلث میں کندہ ہیں۔ اتفاق سے اس عہد کے سکوں پر بھی یہی خط میسر ہے۔ جس سے اس زمانہ کے خط اسلامی کا معیار بھی واضح ہے۔

اسلامی خط کی یہی صورت عہد تغلق سے متعلق بیان کی جاسکتی ہے اور خط کی حد تک اس عہد میں وہی طرز نسخ و ثلث نظر آتی ہیں اور اس عہد تغلق کے آخیر تک ہندوستان کے تمام صوبے مرکز سے الگ خود مختار ہو کر اپنی اپنی صوبائی سلطنتیں قائم کر چکے تھے اور بقول ضیاء الدین برنی ہر شہر میں امدادی مساجد موجود تھیں جن میں کتاب خانے بھی لازمی طور پر تھے جن میں اکثر کتب ماہرین خطاطوں کی لکھی ہوئی تھیں بقول فرشتہ شہزادوں کو عام طور پر ابتدا میں باقاعدہ خطاطی کی تعلیم دی جاتی تھی۔

ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروزشاہی میں لکھا ہے کہ ابتدا میں بعض سادات خاندان آکر یہاں آباد ہوگئے تھے ان میں سادات بیانہ و سادات بدایوں خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور ان میں قاضی مغیث الدین بیانہ کا خاصا ذکر کیا ہے۔ سلطان علاؤالدین خلجی نے ملک قرابیگ اور قاضی مغیث الدین کو حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے پاس دعائے خیر کے لئے ارسال کیا تھا تاکہ دکن کی مہم بخیر و خوبی اسلام کے حق میں طے ہو جائے اور آخیر فتح اسلام کی ہوئی تھی۔ یہ ایک ایسی شہادت ہے جس سے ہم بآسانی اخذ کرتے ہیں کہ ہر طرف ایک اسلامی ماحول تھا جس سے خط اسلامی کی ترویج بھی بخوبی واضح ہے۔ غرضکہ ہمیں اس عہد تک سب لوازمات فن کتابت مہیا تھے اور یہ ملک دوسرے ممالک اسلامیہ کے معیار پر تھا خاص کر معیار کتابت میں اپنا ایک مقام پیدا کر چکا تھا۔

جب سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی کا زمانہ ۷۱۶ھ سے آیا تو ملک کی از سر نو تنظیم کی گئی۔ قصبات اور پرگنات کو الگ کر دیا گیا اور بعض امراء کے فرائض اور احکام میں بھی نئی تنظیم کی گئی چنانچہ فرشتہ نے لکھا ہے کہ مولانا ضیاء الدین پسر مولانا شہاب الدین خطاط کو صدر جہاں کے خطاب سے سرفراز کیا گیا اور ملک قرابیگ کو اپنے قرب میں لے لیا اور علماء و صلحا

اور ارباب استحقاق کو وظائف دیئے گئے بعضے کاتبوں کا خاص معیار قائم ہو گیا۔

خط اسلامی بعہد سلاطین تغلق

حاکم لاہور و دیپالپور جب قلعہ سرستی سے چند سوار ہمراہ لے کر دیپال پور پہنچا اور اس وقت امرا کو مکتوب لکھ کر معاونت کی خواہش کی اور اسی طرح ایک کثیر تعداد نے اس سے اتفاق کیا۔ اس کے فوراً بعد ہی حاکم ملک غازی سلطان غیاث الدین تغلق کے لقب سے سلطان ہند ۱۰ شعبان ۷۲۰ھ سے ہوا اور اس کے بعد اس کا لڑکا محمد تغلق بادشاہ ۱۹ ربیع الاول ۷۲۵ھ سے ہوا اس کے زمانہ سے علماء و اہل فن کی بہت قدردانی ہوئی جس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔

اس بادشاہ محمد تغلق کے متعلق ملتا ہے کہ مکاتبات اور مراسلات عربیہ و فارسی قلم برداشتہ اور بدیہہ بولتا و لکھتا تھا کہ منشیان عطا و رقم اس میں حیران رہتے تھے اور ایسا خوش نویس اور خطاط تھا کہ استاد اسے پسند و قبول کرتے تھے اور اختراع ضوابط جہانداری میں اپنا مثل نہ رکھتا تھا اور جودت فہم حدت ذہن میں علم امتیاز بلند کرتا تھا اور بدیہات سے مرصع کلام کرتا تھا۔ علوم تواریخ کا ماہر تھا۔ حکایات اور داستان شاہنامہ اور قصہ ابومسلم اور امیر حمزہ اس کو حفظ ہیں۔ عام طور پر کتب متقدمین سے اس کو شغف تھا۔ ابن حجر عسقلانی نے اپنی مشہور کتاب "الدرالکامنہ" میں بیان محمد بن تغلق شاہ الہندی کے تحت لکھا ہے۔ الخ

ایک مثقال سونا جو عربی وزن شمار ہوتا ہے یعنی اس کے عہد میں اس طرح باہر سے بھی اعلیٰ اساتذہ کے نمونوں کی آمد اور ان کا سرکاری کتاب خانہ میں محفوظ ہوتا اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی اس طرح اعلیٰ نمونے خطاطی ملکوں میں آتے تھے اور الگ رابطہ قائم تھا۔

غرضکہ خطاطی کا ارتقا اور اس کا عروج پاک و ہند میں قبل مقام عہد مغلیہ یعنی ابتدا عہد اسلامی سے لے کر ۹۳۲ تک ایک نہایت دل چسپ داستان ہے اور اس عہد تک تمام آثار خط بصورت کتبات آثار اسلامی جو بڑے بڑے شہروں اور مقامات میں موجود ہیں اور ساتھ عہد بعہد مخطوطات بھی آج مختلف کتب خانوں اور عجائب گھروں میں محفوظ ہیں اور اکثر مشاہیر خط اسلامی کے اسماء میسر آ سکتے ہیں جنہوں نے خطاطی میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں جن میں اتفاق سے خط کوفی۔ نسخ۔ تعلیق اور طغریٰ و ثلث کی بے شمار اعلیٰ مثالیں میسر آ سکتی ہیں مگر میرے نزدیک خط کا اظہار بصورت کتبات عمارت زیادہ وقیع اور زیادہ مستفید ہونے کا موقع بہم پہنچاتا ہے۔

فنون میں محض خطاطی ایک ایسا فن ہے جو امتیاز نسل غریب اور امیر کو ایک دم ایک مساوی حیثیت بخشتا ہے اور کسی قسم کے امتیاز کو دور کر دیتا ہے بلکہ اسی فن خطاطی میں ایک طرح آزادی نفس کا تصور بدرجہ اتم موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر بادشاہ و امراء اور صلحانے بھی خطاطی میں امتیاز حاصل کیا ہے اور سب سے بڑھ کر کسی قسم کی تعلّی نہیں کی اور ہر فن کار اس فن کو مقدس فن ہی تصور کرتا ہے اور توشہ آخرت سمجھ کر اس میں حصہ لیتا ہے ہم یہاں اکثر سلاطین اسلام کے اسماء درج کر رہے ہیں جنہوں نے خطاطی میں خاص توجہ ہی نہیں کی بلکہ خود ماہر خطاط تھے۔

"خط بہار" میں قرآن کریم

ہندوپاک میں نہ معلوم ابتدائے سلطنت اسلامی سے لے کر آج تک کتنے قرآن کریم کے نسخے لکھے گئے ہوں گے اور لکھنے والوں نے ان میں کیا کیا اپنے فن خطاطی اور تذہیب کاری کی کارہ گریاں پیش کی ہوں گی۔ ان میں سے بیشمار نسخے تو اپنے گرد و نواح کے مصائب کی وجہ سے ضائع ہو گئے ہیں اور بے شمار آج مختلف کتب خانوں، عجائب گھروں اور انفرادی طور پر آج بھی محفوظ ہیں مگر لکھنے والوں نے ان کو اپنی پوری قابلیت سے بہت اعلیٰ انجام دیا۔ یہ حقیقت ہے کہ ہم نہ تو ان عام نسخوں کا مشاہدہ کر سکتے ہیں اور نہ ان کو ہم کماحقہ بیان کر سکتے ہیں۔

راقم نے ایسے ایسے نسخے دیکھے ہیں جو مختلف ادوار میں لکھے گئے ہیں جن کو دیکھ کر انسان حیران ہوتا ہے مگر ان سے ایک امر ضرور واضح ہے کہ ان سے لکھنے والوں کا ذاتی ایمان و خلوص اعلیٰ کتابت کے بعد واضح ہے مگر تاریخ کا مطالعہ واضح کرے گا کہ یہاں اکثر اساتذہ فن دوسرے ممالک اسلامیہ سے یہاں تشریف لائے تھے تاکہ ان کی سرپرستی کی جائے اور یہ امر واضح ہے کہ یہاں بھی مقامی کتاب میسّر آ گئے تھے اور باہر سے جو فن کار آئے انہوں نے عموماً اپنے ناموں کے ساتھ اپنی نسبت مکان و شہر کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے مگر ان میں جو لوگ مقامی یعنی ہندوپاک کے باشندہ تھے ان کے خط میں ضرور کسی قدر فرق ظاہر ضرور معلوم ہوتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب انسان کسی فن کے کمال تک پہنچتا ہے تو اس اظہار میں وہ اپنے عقائد مذہبی کو بھی پیش کرتا ہے جو ایک طرح معراج قابلیت کی نشانی ہے یہی وجہ ہے کہ ابن ندیم نے اپنی کتاب الفہرست میں خط کی بحث کے تحت خطوط المصاحف و کتاب المصاحف کو بیان کیا ہے اور ساتھ ان نسخوں کو مذہب اور مطلا کرنے والوں کے اسماء بھی بیان کئے ہیں جن کو محض اپنی اعلیٰ قابلیت کی وجہ سے خاص شہرت بھی ہوئی اور ایک امتیاز حاصل رہا مگر اسی کے

ساتھ ساتھ مقامی اور شخصی خصوصیات فن نے بھی شہرت حاصل کی جس نسبت سے ان کے وہ نمونے بھی ان سے منسوب ہوئے ۔

ان اصولوں کے تحت ہم دیکھتے ہیں کہ ابتدا سے ہی جب اسلامی حکومت کا انعقاد ہند و پاک میں ہوا تو قرآن پاک کے نسخے بھی تیار کئے گئے اور اس سے یہاں کے مقامی فن کا یا ماہرین خطاط جو وابستہ ہوئے ۔ انہوں نے اس میں کمال ہی پیدا ہی نہیں کیا بلکہ اس طرح بعض مقام اور خاندان بھی ماہرین کتابت بھی ان سے متصف و متمیز ہو گئے ہم نے اوپر فتوح البلدان کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ سندھ میں قرآن کریم کا ترجمہ یہاں کی مقامی بولی میں ہوا اس سے یہ صیغہ کتابت یہاں قائم ہوا مگر رسم الخط کے اعتبار سے ہندوستان میں یہاں کی ملکی زبان کے اپنے خط کے ارتقاء کا مسئلہ ہنوز واضح نہیں ہے اگرچہ اشوک (۳۰۰ ق م) کے زمانہ کے کتبات شمال مغربی ہند میں ملتے ہیں مگر ساتھ ہی قدیم روایات اور دیگر شواہد سے یہ بھی ملتا ہے کہ عربی سے واقف لوگ یہاں قدیم زمانہ سے آباد تھے جس سے عربی زبان کی بین الاقوامی صورت بھی واضح ہے یہی وجہ ہے کہ قدیم عربی سیاحوں نے ہند و پاک کے بعض علاقوں کی زبان کو اپنی عربی صورت میں یا رسم الخط میں لکھا ہے اور اس طرح بعض علاقوں میں عربی لکھنے والے میسر آ گئے تھے خاص کر شمالی ہند میں ملتان نے ضرور امتیاز حاصل کر لیا تھا اور یہ لوگ زیادہ تر ابتدائی مکاتب مساجد سے وابستہ تھے اور اس طرح ان ابتدائی بستیوں کا تعلق بھی براہِ راست بعض عراق و عجم کے اداروں سے بھی تھا اور کاغذ جو یہاں میسر نہیں تھا سب سے پہلے مسلمان یہاں سمندر کے راستہ سے لائے اور انہوں نے اول اول یہاں عام کتابت اور کتابت قرآن کا رواج قائم کیا ۔ چنانچہ بزرگ بن شہریار (سن ۳۰۰ھ) نے عجائب الہند میں اپنے مشاہدات میں لکھا ہے کہ ایک ہندو راجہ قرآن کا ہندی میں ترجمہ کرا کر سنتا تھا ۔ تاریخ بیہقی میں ایک ابوبکر وراق کا ذکر بعہد سلاطین غزنوی ملتا ہے جس کا میرے نزدیک اس وقت کے یہاں ہند و پاک کے علمی ماحول سے بھی تعلق تھا اور اس طرح یہاں قرآن کریم کے لکھنے والے ابتدا سے میسر آ گئے تھے ، اور ہر مقام پر لکھنے والوں نے اپنے خط میں بعض مقامی خصوصیات کو بھی اپنا لیا تھا جس وجہ سے اس کو خط کو مقام سے بھی نسبت ہو گئی غرضکہ اسلامی تہذیب میں اس طرح تحریر یا کتابت نے خود بخود اول درجہ کا ایک مقدس پہلو بھی اختیار کر لیا تھا اور اس میں ہندوستانی طرز کتابت کی وجہ سے برائے تمیز اسے عام طور پر خط بہار 'بہار' کہہ کر پکارا ۔

یہ ممکن ہے کہ اگر ہم تلاش کریں تو اکثر قدیم قلمی مخطوطے قرآن کریم کے میسر آجائیں گے جو یہاں ابتدا سے لکھے گئے اس ضمن میں کئی امور مانع ہیں اول تو کاتبان قرآن کریم ہمیشہ اکثر اپنا نام اسی وجہ سے لکھنے سے گریز کرتے ہیں کہ حب رضا الٰہی

کے لکھا ہے تو پھر نام ونشاں کی وضاحت کی کیا ضرورت ہے۔ بہر حال مقامی خصوصیات کے اعتبار سے ہم دیکھتے ہیں کہ ہند وپاک میں خاص کر قبل عہد مغلیہ قرآن کریم کے لکھنے کے لئے ایک خاص طرز نے شکل وصورت اختیار کرلی ہے اور وہ دیگر ممالک یعنی عراق وعجم وشام ومصر کی طرز کتابت سے مختلف تھی اور قرآن کریم کے لکھنے سے بیشتر کاغذ کو خاص طور پر بصورت وصلی تیار کرتے تھے جس کا خاص عمل وطریقہ تھا مگر اس کے ساتھ ہی سیاہی وقلم کی تیاری بھی لازمی تھی اور اس میں بعض اوقات مشک وزعفران تک بھی ملاتے تھے جیسا کہ ابن ندیم نے لکھا ہے کہ ان کی کتابت کے ضمن اسے مزید خوبصورت بنانے کے لئے عام طور پر مزین کیا جاتا اور بعض اوقات سنہرا وغیرہ سے بھی نقش ونگار بنائے جاتے تھے۔ ایک طرح سے تجوید الخط کا خیال رکھا جاتا۔ اگرچہ یہ عمل قرأت سے زیادہ متعلق ہے۔

چنانچہ مطلع العلوم مجمع الفنون مولفہ واجد علی خاں (۱۲۶۲ھ) میں حسب ذیل ترکیب وصلی درج ہے۔

برائے وصلی کاغذ مسطر محکم گیرند وارند گندم را بہ شب بخیسانند وصبح شیرہ آں گرفتہ بآتش معتدل بقوام درآرند واین را آہار گویند و آہار در رقت غلظت معتدل باشد پس لوحی صاف و ہموارہ گیرند و بر آں یک ورق کاغذ گزارند و آہار دہند کہ ہر طرف یکساں و بہ طشتی پر آب ورق دیگر را غوطہ دادہ بالای آں ورق وصل کنند اگر ہوا اندرون ہر دو تہ ماندہ باشد دست را "باہار" آلودہ ہوا را باطراف وصلی خارج کنند تا صاف و درست شود پس بہ ہوا خشک کنند نہ بہ آفتاب و چوں خوب خشک شود ہر دو روی آں را مہر زنند ہمچنیں تا ہفت مرتبہ ہر دو روی وصلی آہار دہند مہر زنند باہشتم مہر زدہ بنویسند۔

یہ ایک طرح قرآن کریم کے خطاطوں نے اپنا اصول بنالیا کہ قرآن کریم لکھنے کے لئے کاغذ کو ہمیشہ وصلی بنا کر لکھا جائے گا اور اس کاغذ کو ان کاتبوں نے ہمیشہ "باہار" افواہ" کہا ہے جب کتابت قرآن کریم کے لئے یہ ایک اصول طے ہوگیا تو اس وجہ سے عام طور پر ہر قرآن کو جو یہاں اس طریقہ وصلی بنا کر لکھا جاتا اسے "باہار" کی نسبت سے خط باہار سے یاد کرتے تھے اور یہ طرز عمل پھر ہندوستان میں کتاب نے دوسرے ممالک کے کتبات سے بھی ایک خاص ملکی خصوصیات مدنظر رکھ کر قرآن کریم کو لکھا جو اسی طرح دہلی کی وجہ سے عام طور پر خط "باہار" سے موسوم ہوا۔

ہندوستان میں کاتبان قرآن جو خاص کر یہاں کے اصلی باشندہ تھے۔ انھوں نے اپنے عربی رسم الخط قرآن دوسروں سے تمیز پیدا کرنے کے اس طرح ایک الگ طرز کتابت قرآن کو ابتدا سے ہی فروغ دیا جس کے لئے ان کو ہر ورق کے لئے

وصلی بنائی ہوتی تھی اور اسی پہ وہ پھر اس خاص طرز عربی بندی میں قرآن لکھتے تھے جس وجہ سے وہ قرآن عام طور پر "باہار" یا "بہار" نام سے موسوم ہوتا کیونکہ اس کا ہر ورق باہار تھا۔ اگرچہ بعضوں نے اسے خط باہار یعنی صوبہ بہار سے بھی منسوب کیا ہے جو میرے ناقص خیال میں ٹھیک نہیں ہے کیونکہ اس خط باہار میں قرآن مَیں نے عام طور پر شمالی ہند میں ساتویں صدی ہجری سے لے کر عام طور پر دسویں صدی ہجری کے مابین زمانہ کے لکھے ہوئے دیکھے ہیں۔

عام طور پر ان مخطوطوں کے کاتبوں نے اپنے نام و دیگر کوائف ذرا کم لکھے ہیں اور یہ اختراع زیادہ تر قرآن کے متن تک ہی محدود رہی ہے یعنی یہ انفرادیت ایک طرح قرآن کی وجہ سے مشہور بھی ہوئی اور عام طور پر ان قرآنوں کے کاتبوں نے عام طور پر حروف کی ہیئت کو عام قواعد خطاطی کے نسخی کے اصولوں سے ذرا آزاد ہو کر اپنے ذاتی اصول پر لکھا ہے اس میں حروف کے گھیر سے۔ کشش اور حروف کے جوڑ عام رسم الخط نسخ سے مختلف ہو گئے ہیں۔ یعنی یہ انحراف ایک خاص شخصی طرز اختیار کر گیا ہے اور اس طرح ہر نسخہ قرآن میں ایک ترتیب اور منظومیت ضرور نظر آتی ہے۔ ان مخطوطہ ہائے قرآن کو عام طور پر خط بہار یا "باہار" سے تعبیر کیا گیا ہے اگرچہ ہندوستان کے صوبہ بہار سے اسے کوئی تعلق نہیں ہے اور بگڑ کر یہ باہار لفظ بہار ہو گیا مَیں سمجھتا ہوں کہ متذکرہ بالا اصول وصلی جسے "باہار" کہا گیا ہے اس نسبت سے "خط باہار" شمار کیا ہے۔ فرانسیسی محقق موسیو کلیمان ہوار نے اپنی کتاب فرانسیسی کتاب 'خطاط و مصوران مطبوعہ پیرس ۱۹۰۸ء میں ص ۵۱ پہ اسے ایک طرز کے طور پر خط باہار کو بیان کیا ہے ویسے یہ کتاب رضا علی شاہ قادری کی تالیف مفتاح الخطوط پہ مبنی ہے جو ہندوستان ۱۲۲۹ھ میں لکھی گئی تھی یہ مخطوطہ برٹش میوزیم لنڈن میں موجود ہے

مَیں نے اس طرز میں لکھے ہوئے قرآن کریم کے کافی خطی نسخے دیکھے ہیں جن سے بھی مَیں نتیجہ پہ پہنچا ہوں کہ خاص کر شمالی ہند میں زیادہ تر ساتویں ہجری سے لے کر نویں صدی ہجری تک لکھے گئے ہیں۔ بعض کتب خانوں اور عجائب گھروں میں محفوظ ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں ایک مخطوطہ قرآن کسی کاتب "شیخ اراجو" کا لکھا ہوا ہے افسوس اس پر تاریخ نہیں ہے اور کافی قدیم بوجہ کاغذ اور دیگر شواہد سے معلوم ہوتا ہے مگر مَیں نے ایک نسخہ قرآن کریم کابل میں وہاں کے عجائب گھر میں دیکھا جس کا ترقیمہ مندرجہ ذیل تھا۔

بعون الله احسن توفیقة فی تاریخ شهر ربیع الاول هفدهم بروز جمعه سنه ست وسبعون وسبعمائته علی ید العبد الضعیف النحیف احوج الی رحمة الله

الهادی الیاس بن قاضی ابابکر یعقوب بن نصیر اللہ بن غفر ذنوبہ دعیوبہ مع الاباء و الاجداد واطیع المومنین والمومنات والمسلمین والمسلمات فی بلدۃ لوهری صا مقامی ۔

یعنی یہ مقام سندھ میں ٹھٹھہ کے قریب بندر لوهری سے مراد ہے اور اتفاق سے مقام اُچ نزد بہاولپور میں گیلانی خاندان کی لائبریری میں قرآن کریم کے مخطوطے محفوظ ہیں۔ گذشتہ ماہ رمضان ۱۳۹۲ھ میں لاہور میں ایک نمائش قرآن نے بھی یہ واضح کر دیا کہ اس رسم الخط میں کافی قرآن کریم کے نسخے موجود ہیں مگر میں نے بعض قلمی نسخے قرآن کی تفسیر کے بھی دیکھے ہیں جن کے مشاہدہ سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ کاتب نے قرآن کریم کے متن کو تو اسی خط بہار میں لکھا ہے مگر اس کی تشریح یعنی تفسیر کو عام خط نسخ میں لکھا ہے چنانچہ یہاں دو مثالیں میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور سے پیش کرتا ہوں۔

۱۔ تفسیر مدارک کے آخر میں لکھا ہے - قد وقع الفراغ من کتابت هذالجلد بعون اللہ وحسن توفیقہ فی الحادی عشر من اصفر فتم اللہ بالخیر سنہ ثلاث وعشرین ثمانمائۃ

۲۔ تمت هذ الکتاب بعون اللہ الوهاب کتاب فقیر مدارک یوم جلد: فقیر حنیف محمود بن عثمان (؟) بن ابراهیم بوقت ظهر مرتب شد:۔

غرضکہ قرآن کریم کے لکھنے کے لئے یہاں شمالی ہند میں اس قسم کے خط کی خصوصیت کے ساتھ فروغ دیا گیا اور یہ یہاں کے اصلی باشندوں کا کارنامہ تھا۔

چند ابتدائی کتابہ نویس بطرز نسخ وثلث

ہند و پاکستان کی اکثر قدیم عمارات اسلامی پر خط ثلث و نسخ میں کتبات کندہ کئے گئے ہیں جو زیادہ تر آیات قرآنی احادیث نبوی پر مشتمل ہیں۔ ان کتبات کے لکھنے والوں نے بہت اعلیٰ طریق پر اپنے فن کتابت کا مظاہرہ کیا اور میں نے چند لکھنے والوں کے اسماء مندرجہ ذیل اپنے مشاہدہ کی بناء پر جمع کئے ہیں۔

خط نستعلیق کے بعہد مغلیہ یہاں رائج ہونے کے قبل یہ طرزیں رائج تھیں اور لوگ اس سے متعارف تھے۔ راجپوتانہ مارواڑ کے علاقہ میں مقام ناگور بہت اہمیت رکھتا ہے میں نے یہاں سے کافی تعداد اسلامی کتبات کو عمارات سے جمع کیا تھا اور سلطنت ہند نے ۱۹۵۰ء میں شائع کیا اول کتبہ جس پر نام تھا وہ یہاں سے ملا جسے خواجگی بن منہاج الاصفی نے ۵۸۶ھ میں لکھا تھا۔ گجرات کاٹھیاواڑ کو مسلمانوں نے ایک طرح بعہد سلطان محمود غزنہ فتح کر لیا تھا یہاں بے شمار کتبات ملے ہیں یہاں

دریا نربدا کے کنارے مقام بھروچ کی عیدگاہ پر جو کتبہ عہد محمد تغلق لکھا تھا۔ احمد آباد میں دروازہ شاہ پور کے اندر مسجد کے کتبہ کے اختتام پر عبدالحیٰ بن علی ۹۲۴ھ لکھا ہے۔ اسی طرح وہاں مقامی روایت کے مطابق چنگیز خاں کے مقبرہ پر کتبہ محمد خطاط ۹۶۷ھ درج ہے۔ دکن کو اول علاؤالدین خلجی نے ۷۰۹ھ میں فتح کیا تھا اور اس کے بعد ۷۴۳ھ سے سلطنت بہمنی کا انعقاد ہوا جس کے بعد یہاں بے شمار عمارتیں مختلف مقامات پر تعمیر ہوئی تھیں یہاں دولت آباد میں اس فتح کی یاد میں مینارہ و مسجد موجود ہیں ان کتبات کو "پرویز بن قرنفل" نے انجام دیا تھا۔ مدرسہ خواجہ محمود گاواں کے ماتھے پر بہت اعلیٰ کالٹی کاری مختلف رنگوں میں بذریعہ نقش و نگار کی گئی ہے اور آیات قرآنی کے آخر کاتب کا نام یوں لکھا ہے، کتبہ العبد علی الصوتی ۸۸۶ھ بیدر میں چشمہ شامی پر ایک کتبہ کو درویش حسینی مشہدی نے ۹۱۰ھ میں لکھا تھا مگر احمد شاہ ولی بہمنی کا گنبد بہت مشہور عمارت ہے۔ جس کے گنبد کے اندر کئی قسم کے رسم الخط کو عمدگی سے لکھا ہے۔ ان کتبات سے واضح ہے کہ شاہ ولی بہمنی نے خود اس عمارت کو اپنی زندگی میں ۸۲۵ھ میں تعمیر کروایا تھا اور یہ عمارت ۸۲۹ھ میں ختم ہوئی۔ ان عام کتبات اور نقش و نگار کے آخر لکھا ہے، کتبہ خواجگی شیرازی ۹۸۴ھ۔ اسی طرح وہاں بیدر میں ایک کتبہ پر لکھا ہے۔ کتبہ سلطان محمود شاہ بن محمد شاہ السلطان البہمنی ۹۰۹ھ۔ گوالیار میں ایک کتبہ پر اسمٰعیل بن عبدالسلام الملقب بوجیہہ ۷۱۱ھ ملتا ہے اور مقام تھانیسر خاندیش ایک پر ایک کاتب کا نام یوں ملتا ہے، کتبہ مصطفےٰ خاں ۸۶۱ھ لکھا ہے مگر ان سلاطین کے مشہور مقام برہان پور میں ایک مسجد کی عمارت کو عادل شاہ بن مبارک شاہ فاروقی نے ۹۹۰ھ، ۹۹۶ھ کے درمیان تعمیر کروایا تھا جس پر کاتب کا نام "مصطفےٰ بن نور محمد" لکھا ہے۔ اس ضمن میں آخر بہترین کتبات جو خط ثلث میں ۱۰۴۰ھ میں لکھے گئے وہ تاج محل آگرہ کے تھے جن کو امانت خاں شیرازی نے لکھا ہے۔ اس ضمن میں ہم نے محض چند مشاہیر خطاطوں کے اسماء دیئے ہیں۔

ان ماہرین کے مندرجہ بالا نمونوں کا مشاہدہ واضح کر دے گا کہ انہوں نے خط طرز طغریٰ، کوفی، ثلث، نسخ وغیرہ کو اس طرح لکھا ہے کہ آج کے ماہرین حیران ہیں اور یہ ایک بیش بہا ذخیرہ ہے اور سب سے بڑھ کر یہ ان کا مشاہدہ ایک تصور یہ دیتا ہے کہ یہ خطوط کی مختلف طرزیں تمام عالم اسلام میں یکساں ہیں اور آدمی یہی تصور کرتا ہے کہ وہ کسی وسط ایشائی عمارات کا مشاہدہ کر رہا ہے اگرچہ ان میں فن تعمیر کی خصوصیات میں یہ یکسانیت ضرور ہے مگر خط اسلامی نے اس پر مزید یہ تصور پختہ کر دیا ہے۔ خاص بیدر میں روضہ سلطان ولی بہمنی اور سمرقند میں بی بی خانم کا روضہ بالکل ایک ہی مقام پر دو عمارتیں نظر

آئی ہیں جس میں کوئی فرق نہیں ہے حالانکہ ان کے درمیان کئی ہزار میلوں کا فاصلہ ہے ۔

خطِ اسلامی بعہد لودھی قبل عہد مغلیہ

خاص کر خطِ اسلامی کی صحیح ہیئت و کیفیت قبل عہد مغلیہ یا بعہد لودھی ہمیں اس عہد کی عمارتوں کے کتبات سے زیادہ ملتی ہے جو اس زمانہ کے آثار و دیگر شواہد کے مطالعہ سے میسر ہے اور خاص کر اس زمانہ میں سکندر لودھی بذاتِ خود ایک عالم بادشاہ اور خدا ترس انسان نظر آتا ہے جس کے زمانہ میں مولانا جمالی جیسے بزرگوں نے سیر العارفین کتاب لکھی تھی اور اس عہد میں خاص مقامی ہندوؤں کی تعلیم کے لئے سہولتیں مہیا کی گئی تھیں خاص کر طبقات اکبری (ص ۱۷۱) میں اس طرح لکھا ہے ۔

" درعہد فرخندہ ! وعلم رواج یافت و امرازادگان دولت و سپاہیان بکسب فضل اشغال نمودند و کافراں بخواندن و نوشتن خط فارسی کہ تا آں زماں درمیان ایشاں معمول نہ بود پرداختند ۔

اس طرح فارسی ادب و کتابت خطِ اسلامی ہندوؤں میں بھی عام ہو گیا۔ جمالی کنبوہ کو سکندر لودھی کی آتالیقی کا شرف رہ چکا تھا اور سکندر لودھی نے اس دربار میں آنے کی دعوت دی تھی اور اس کا لڑکا شیخ گدائی کنبوہ جو مشہور شاعر زمانہ تھا سلطان ابراہیم لودھی کا صدر الصدور تھا بلکہ بابر کی فتح کے بعد وہ مغل دربار سے بھی منسلک رہا اور گدائی کا وجود ہمایوں اور شیر شاہ کے زمانہ میں بھی ملتا ہے اس کا انتقال دہلی میں ۹۷۶ھ میں ہوا یعنی لوگ آخر کتابت سے بہرہ ور تھے۔ گدائی کی مہر میں نے بعض مخطوطوں پر دیکھی ہے خاص کر ان میں سے نسخہ غرۃ الکمال خسرو قابل ذکر ہیں جو میرے نزدیک قدیم ترین نسخہ کلیات خسرو کا ہے اور یہاں ہندوستان میں اس کے وقت یہاں کی مروجہ خطاطی میں کسی نے لکھا ہے اس میں نظموں کے قافیہ و ردیف الگ الگ کر دیے گئے ہیں اور اس پر گدائی بن جمالی شاعر کی مہر گول خط طغریٰ میں بھی ہے جسے میں نے اس طرح پڑھا ہے ۔" المفتقر الی ملک المتعالی ۔ الحقیر گدائی ابن جمالی " یہ نسخہ غرۃ الکمال اور دیگر مخطوطے عجیب طرز خط اور طریقہ مسطر بھی پیش کرتے ہیں ۔

میں نے عہد لودھی کے بعض آثار بیانہ مقام میں دیکھے ہیں جن سے اس زمانہ کے رسم الخط کی کیفیت زیادہ واضح ہے اور ایک طرح نسخی خط ہے یعنی ابھی تک ہند و پاک میں خط نستعلیق کے لوگ عادی نہیں تھے

خطِ نستعلیق کی ابتدا

انیسویں صدی ہجری کے آخر تک بالخصوص ایران و توران میں محسوس کیا جانے لگا کہ خطِ اسلامی کو پڑھتے ہوئے عربی اور فارسی کی تمیز ہونی چاہیئے جبکہ ہر دو زبانیں ایک ہی رسم الخط میں لکھی جاتی ہیں اور پڑھتے ہوئے کسی قدر ان میں تمیز کی دقت ہوتی ہے جبکہ ہر دو زبانوں کی صرف و نحو ایک دوسرے سے مختلف ہے اور الگ الگ معنی لیئے جاتے ہیں اس لئے ضرورۃً رسم الخط عربی و فارسی میں تمیز کسی قدر لازمی ہے اگرچہ اس کو مدنظر رکھ کر بعض لکھنے والوں نے ابتدا سے ہی کسی قدر اس کا خیال بھی رکھا ہے مگر اس اصول اور ضرورت کو مدنظر رکھ کر سب سے اول مستند فنی طور پر اس طرف میر علی تبریزی نے توجہ کی جو بغداد میں سلطان احمد جلائر (۷۸۳ - ۸۱۳ھ) کے دربار سے منسلک تھا اس نے وہاں کلیات خواجو کرمانی کو ۷۹۸ھ میں لکھا اور اس کے معاصر جنید نقاش نے اسے مصور کیا۔ اتفاق سے یہ اصل مخطوطہ آج برٹش میوزیم لندن (۱۱۳ ۸۸۸۰۱۸) میں محفوظ ہے ویسے عام طور پر مشہور ہے ؎

نسخ تعلیق اگر خفی و جلی است واضع الاصل خواجہ میر علی است

یعنی یہ نسخہ بغداد میں فارسی میں لکھا گیا۔ حالانکہ بغداد کی ملکی زبان عربی ہے۔

اس کے بعد ایران و توران میں فارسی زبان کا رسم الخط عام طور پر تعلیق و نسخ کے اتصال سے نستعلیق ہو گیا اور فارسی کے مخطوطے اس کے بعد عام طور پر اسی رسم الخط میں لکھے جانے لگے جو آج بھی میسر ہیں، اگرچہ بعض محققین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ خط اس سے بھی قبل موجود تھا مگر یہ حقیقت ہے کہ میر علی نے اسے فنی طور پر پیش کیا تھا۔

شہزادگان و سلطان تیموریہ نے اس ضمن سبقت کی۔ انہوں نے تیمور کی وفات کے بعد اپنا دارالخلافہ سمرقند سے منتقل کر کے ہرات قائم کر لیا تھا جہاں وزیر باتدبیر امیر علی شیر نوائی وزیر اعلیٰ سلطان حسین میرزا بائقرا۔ اور سلطان نے خود اہل فن کی قدردانی اور سرپرستی اس ضمن میں وہ کی کہ ایک مثال قائم کر دی تھی ان کے دربار میں سلطان علی مشہدیؒ استاد بہزاد، اور مولانا میرک ایسے امام الفن پیدا ہوئے جنہوں نے اس ضمن میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں جس وجہ سے یہ خطِ اسلامی اسی طرز نستعلیق میں ایک خاص مقام پیدا کر گیا اور تمام ایشیا میں پھیل گیا۔ مگر یہاں ہند و پاکستان میں یہ طرز بابر کی فتح ۱۵۲۶ء سے رائج ہوا۔

خطِ اسلامی بعہد مغلیہ

سلطنت مغلیہ ظہیر الدین بابر بادشاہ کی فتح ۱۵۲۶ء سے شروع ہو کر ۱۸۵۷ء تک متواتر رہی اور تمام ہند میں مغلیں کا اقتدار رہا اور مغل بادشاہوں کی سرپرستی سے علوم و فنون کو وہ فروغ ہوا جو نہ اس سے قبل اور نہ اس کے بعد ہوا یہ تمام شاہان خود علوم و فنون کی ترقی میں بحیثیت ماہر فن عملی حصہ لیتے تھے اور اہل فن کی قدر کرتے تھے خاص کر ایران و توران سے اکثر ماہرین اس حوصلہ افزائی اور سرپرستی کی وجہ سے آئے۔

بابر نے جب ابراہیم لودھی کو پانی پت کے میدان میں ۹۳۲ھ مطابق ۱۵۲۶ء میں شکست فاش دی تو فتح نامہ شیخ زین نے لکھا تھا جس کے بعد وہ سیدھا غازی فاتح کی حیثیت سے آگرہ روانہ ہوا اور راستہ میں حضرت نظام الدین اولیاؒ کی درگاہ دہلی پر ٹھہرا جبکہ اس کے ہمراہ بعض خطاط بھی تھے جن میں خاص کر قابل ذکر ملا زاہد تھے۔ انہوں نے نستعلیق طرز میں بعض کتبات بھی درگاہ کے آثاروں پر لکھے جو آج بھی موجود ہیں۔ یعنی یہ ایک طرح یہاں ہند میں طرز نستعلیق خط کا عملی آغاز تھا

یہ ایک حقیقت ہے کہ بابر بذات خود اپنی توزک وسطِ ایشیائی زبان ترکی میں لکھا تھا جس کا ترجمہ فارسی زبان میں عبدالرحیم خان خانِ خاناں نے اکبر کے فرمان پر کیا تھا مگر شواہد موجود ہیں کہ اس کا فارسی ترجمہ خاص کر شہزادہ نصیر الدین ہمایوں کے لئے ساتھ ساتھ ہوتا رہا جس کا ایک مصور نسخہ آج بھی ریاست الور (انڈیا) کے کتب خانے میں موجود ہے جسے اعلیٰ نستعلیق طرز میں کاتب علی الکاتب نے ۹۳۷ھ میں مکمل کیا ہے راقم نے خوب اس کا مشاہدہ اور مطالعہ کیا ہے ہم یہاں تعین نہیں کر سکتے کہ یہ شخص علی الکاتب کون تھا کیونکہ اسی نام اور لقب سے اور کاتب وسطِ ایشیا میں بھی ملتے ہیں مگر ایک مشہور کاتب کا نام عام طور پر بیان کیا جاتا ہے وہ "شہاب المعمائی الھردی" جو بابر کے ہمراہ آیا اور اسی نے نظام الدین اولیا کے احاطہ میں بعض آثاروں پر کتبات لکھے تھے جس پر اس کا نام موجود ہے مگر ان کاتبوں میں ایک اور کاتب "طاہر محمد عماد الدین حسن ابن سلطان علی سبزواری" کا نام بھی ملتا ہے مگر وہ کافی بعد کا ہے اور ایک اور کاتب اپنے آپ کو "عبد الغنی بن ایوب نبیرہ شیخ فریدالدین شکر گنج" لکھتا ہے غرضیکہ یہ اس ابتدائی طرز نستعلیق میں لکھنے والے تھے۔

بقول ملا عبدالقادر بدایونی جب بابر یہاں آیا اور بحیثیت شہنشاہ مقیم ہو گیا تو اس نے وسطِ ایشیا سے اکثر فضلاء علماء اور ماہرین اور شعراء کی جماعت کو مغل دربار سے وابستہ کیا اور ان کی حوصلہ افزائی کی کیونکہ وہ خود بھی اعلیٰ خطاط و شاعر

اور نقاد تھا چنانچہ بدایونی نے لکھا ہے کہ بابر کے اپنے ذاتی خط کو خصوصیت سے " خط بابری" کے نام سے تعبیر کیا ہے جن کے ماہر عبدالحیٔ منشی مشہدی اور اس کا بھائی میر عبداللہ قانونی تھے ۔ بابر نے خود اپنے اسی خط خاص میں مصحف کریم لکھ کر مکہ معظمہ ارسال کیا تھا۔ افسوس اس خط کا آج کوئی نمونہ میسّر نہیں ہے بلکہ یہ طرز خاص بابر کے ساتھ ہی ختم ہوگیا۔ ویسے شیخ ابوالفضل نے خط کے ضمن میں ملا۔ عبدالحیٔ کا ذکر بھی کیا ہے مگر بابر کے عہد کے فضلا میں شیخ زین، مولانا بقائی، مولانا شہاب المعائی، وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

ہمایوں کا زمانہ ۹۳۷ھ سے شروع ہوتا ہے اور عہد بابر کے فضلا سے اس کو واسطہ پڑا تھا۔ خاص کر ایک مسجد کچھپورہ (آگرہ) میں ۹۳۷ھ میں شیخ زین الدین خوافی کی زیر نگرانی تعمیر ہوئی جس پر تمام کتبات اسی شہاب المعمائی نے لکھے تھے مثلاً :

محمد ہمایوں شہ عصر دین　　　بنیاد قدرش بود خرف گردوں
بتاریخ اتمام ایں بیت شعر　　　شہ عصر دیں محمد ہمیوں

قائلہ و راقمہ شہاب معمائی الھروی غفر ذنوبہ ۔ بسعی زین الخوافی ۔

بابر کے عہد میں ملا محمد علی طاہری نے علاؤالدین زکریا بن محمود بن محمد القزوینی المتوفی ۶۸۲ھ کی کتاب سبعہ اقالیم" کا عربی سے فارسی میں بنام تحفۃ العجائب ترجمہ کیا اور اس ترجمہ سے ۲۳ رمضان ۹۲۵ھ کو علی طاہری نے فراغت پائی تھی تو اس نے اس ترجمہ کو بطور ارمغان ظہیرالدین محمد بابر بادشاہ کی مجلس میں پیش کیا تھا۔ اتفاق سے اس کا ایک مخطوطہ حبیب گنج نزد علی گدھ کتب خانہ نواب حبیب الرحمٰن خاں شروانی میں موجود ہے جو ملتان میں بعہد نصیرالدین ہمایوں ماہ ربیع الثانی ۹۴۲ھ میں بطرز نستعلیق لکھا گیا تھا۔

سیاسی حالات کے تحت ہمایوں کو ہند سے ہجرت کر کے ایران جانا پڑا اور یہ تمام عرصہ قریب دس سال کا ہے جب کہ وہ ہند سے غیر حاضر رہا اور اس عرصہ میں سوری سلطنت کا آغاز زیر قیادت شیر شاہ سوری ہوا۔ اس عرصہ میں بھی خطاطی میں کافی کارنامے معرض وجود میں آئے۔ چنانچہ اسی زمانہ کی اکثر قدیم عمارات دہلی اور سسرام میں ہیں جن پر بالخصوص خط ثلث میں اکثر کتبات ملتے ہیں اور ان کتبات کو پتھر کی سطح پر کندہ کیا گیا ہے بلکہ بعض حالات میں ان کتبات کو بصورت خاتم بندی سرخ پتھر کی سطح پر بھر دیا گیا ہے۔ آج بھی قلعہ کہنہ دہلی میں جو مسجد شیر شاہ ہے وہ ایک یادگار عمارت اسی سوری عہد کی ہے اس کے باہر

کے ماتھے پر بڑی کمان کے ارد گرد سورہ یٰسین خط ثلث میں کندہ ہے اور اس طویل کتبہ کا خط ثلث ایک بے مثال نمونہ ہے افسوس ہمیں کسی خاص کاتب کا نام اس عہد میں نہیں ملتا مگر خط کی یہ طرز بعہد سوری ایک خاص کیفیت پیدا کرتی ہے ۔

عہد اکبر

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ نصیر الدین ہمایوں کو سیاسی حالات کی وجہ سے ہندوستان سے باہر ایران جانا پڑا تھا اور یہ عرصہ قریب دس سال کا ہے چنانچہ اس عرصہ میں ہمایوں کو اپنے ذوق کے مطابق اکثر ماہرین خطاط اور مصوروں سے بھی واسطہ پڑا تھا بخصوصیت سے ہمایوں کی شاہ طہماسپ سے تبریز میں جو صحبتیں ہوئیں وہ بہت ہی علمی اور فنی شمار ہوتی ہیں اس وقت ہمایوں نے دو ماہرین خواجہ عبد الصمد شیریں قلم اور میر سید علی تبریزی سے ملاقات کی ان کے فنی کاموں سے مطمئن ہو کر ان کو ہند میں اپنے ہمراہ آنے کی دعوت دی جسے انہوں نے قبول کر لیا۔ تاریخ بیان کرتی ہے کہ جب ہمایوں کے ستارہ نے یاوری کی اور وہ ہندوستان واپس ہوا تو ان کو کسی طرح ہمراہ لے آیا۔ اور انہوں نے آتے ہی مغل دربار میں اپنے خاص وسط ایشیائی روایات پر کام شروع کیا غرضیکہ یہاں پھر از سر نو وہی ایران و توران کا ماحول کتابت اور مصوری یعنے کتابوں کی تیاری میں رونما ہوا۔ اگرچہ پہلے ہی سے یہ روایات اپنا اثر کر رہی تھیں مگر اس عہد ہمایوں نے مزید توجہ اور اعلیٰ پیمانے پر درباری سرپرستی کے تحت کام شروع ہوا۔ اور ان کے ہمراہ اور لوگ بھی ماہر ملا فخر جیسے جلد ساز، صحاف و وراق وغیرہ بھی تھے اگرچہ ان کے اسماء واضح طور پر نہیں ملتے غرضیکہ وسط ایشیائی ماحول فن و ثقافت یہاں مغل دربار میں رائج ہو گیا جو پہلے یہاں ہرگز نہ تھا۔

ابو الفضل نے آئین اکبری میں "آئین تصویر خانہ" کے تحت لکھا ہے کہ خداوند صورت پر خود رہنمائی کرتا ہے چنانچہ معنی کے لئے پیکر حرف اور لفظ سے صورت خط میں مہیا کرتا ہے ۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ حرف میں نمایاں ہونے والے جسم کی تصویر کو کارپردازان فرہنگ معانی خلق کو اکثر شگرف سے صورت میں پیش کر کے حقیقت تک رسائی کرتے ہیں مگر خط کی آزمائش کے ذریعہ امتیں دستیاب ہوتی ہیں اور سرمایہ کو فروغ میسر آتا ہے اور خط دور و نزدیک سے آگاہی بہم پہنچاتا ہے اگر خط نہ ہوتا تو سخن زندگانی کا کچھ علم نہ ہوتا اور دل گزرے ہوئے لوگوں کے کارناموں تک رسائی نہ کرتا۔ غرضیکہ ابو الفضل نے مختصر طور پر نہایت بلیغ الفاظ میں خط کی غرض و غایت مختصر طور پر اپنے رنگ میں لکھ دی ہے اور اسی عہد میں اکبر کے نستعلیق طرز کے ماہرین جو دربار سے وابستہ تھے ان کا ذکر کیا ہے جس میں خاص کر دوری کاتب الملک مولانا محمد حسین کشمیری بخطاب زریں قلم جو مولانا عبد العزیز

اپنے استاد سے بھی سبقت لے گیا تھا اور وہ مدات ۔ دوائر حروف کو متناسب لکھتا تھا ۔ ملا میر علی کا پسر مولانا محمد باقر ۔ محمد امین مشہدی ۔ میر حسین کلنگی ۔ مولانا عبدالحیٔ ۔ مولانا دوری کاتب الملک قاسم ارسلان ، دیگر حضرات جادو طراز نامور گزرے ہیں ۔

اکبر کی خاص توجہ سے فن کتابت اور کتاب خانہ کی ترویج کو خاص ترقی ہوئی ۔ کئی کتابیں ان متذکرہ بالا کاتبوں نے لکھی ہیں اور کئی کتب فارسی میں سنسکرت سے ترجمہ ہو کر محفوظ ہو گئیں اور بیشمار کتب بزبان سنسکرت جو آج متداول ہیں اکبر کے فرمان اور حوصلہ افزائی سے آج محفوظ نظر آتی ہیں اور درباری مصوروں نے ان کو مصور کیا اس طرح شاہی کتابخانہ کو بہت فروغ ہوا ۔ ان کتابوں میں قابل ذکر داستان امیر حمزہ ہے جس کی پوری تفصیل ابوالفضل اور دیگر مؤرخین و تذکرہ نگاروں نے دی ہے کہ کس طرح اسے خواجہ عبدالصمد شیریں قلم نے لکھا ہے کس طرح میر سید علی تبریزی کی وساطت سے مصور ہوئی جن کے ماتحت ، بے شمار کاتب اور مصور بہزاد قلم جن میں غیر مسلم بھی تھے کام کرتے تھے اور سنسکرت سے فارسی میں مہابھارت کا ترجمہ بنام رزم نامہ بہت مشہور کارنامہ ہے جو مصور بھی ہوا تھا اتفاق سے ان ہر دو کتابوں کے بعض نسخے آج بھی اکثر عجائب گھروں اور کتاب خانوں میں محفوظ ہیں ۔ مگر رزم نامہ کا مکمل نسخہ جے پور کے پوتھی خانہ میں آج بھی محفوظ ہے جسے راقم نے خوب دیکھا ہے اور اس پر الگ ایک مضمون بھی لکھا ہے ۔ اس کا ترقیمہ یہ ہے ۔

"باہتمام مرید درچہار مرتبہ اخلاص پائے برجا شریف عبدالصمد صورت آمایافت"

یہ ترقیمہ فن کتابت میں ہی نہیں بلکہ تربیت بادشاہی کتاب خانہ اور اس وقت کے ثقافتی ماحول کے اعتبار سے بہت اہم ہے ۔ اول تو اس میں مہتمم کتاب خانہ "شریف بن عبدالصمد لکھا ہے جو دراصل خواجہ محمد شریف بن خواجہ عبدالصمد شیریں قلم کی طرف اشارہ ہے جو شاہی کتاب خانہ کا مہتمم تھا اور اس کی صفت "مرید درچہار مرتبہ" کا مطلب یہ تھا کہ وہ اکبر کے دین الٰہی میں چار مرتبے والا مرید تھا یعنی مرید کے چار مرتبے ہوتے تھے ۔ سب سے بڑھ کر اسی مخطوطہ کو عنایت اللہ شیرازی نے لکھا تھا جس کا نام اسی مخطوطہ کے ترقیمہ میں الگ نیچے لکھا ہے اور ساتھ ہی وہ چند مہریں اور تحریریں بھی اسی پر ہیں جو بعد کے کتاب داروں کی ہیں جن کی تحویل میں کتاب رہی ہے اور واقعی بہت اہم ہیں ان میں سے ایک مہر "عبدالحق بن محمد قاسم شیرازی" کی ہے جو بذات خود بہت بڑا ثلث لکھنے میں ماہر کاتب تھا اور یہی کاتب تھا جس نے اکبر کے روضہ کے تمام کتبات لکھے تھے اس کا نام وہاں دروازہ کے کتبات کے آخر کتبہ عبدالحق شیرازی ۱۰۲۲ھ لکھا ہے اور جب آگرہ میں تاج محل کی

عمارت کی تعمیر شاہ جہاں نے کی تو اس وقت بھی تمام کتبات اسی نے خط ثلث میں لکھے تھے ان ہر دو عمارتوں پر اس کا نام درج ہے چنانچہ اکبر کے روضہ پر تو اسی کا نام "عبدالحق بن قاسم شیرازی" کندہ ہے جیسا کہ اوپر درج کیا ہے اور تاج محل کے گنبد کے اندر اس کا نام "امانت خاں شیرازی" لکھا ہے کیونکہ اس وقت اسے شاہ جہاں کے دربار سے یہ خطاب ملا تھا اس کے بعد وہ اپنی ملازمت سے سبکدوش ہو گیا تھا ویسے یہ شخص ملا شکر اللہ یعنی نواب افضل خان کا حقیقی بھائی بھی تھا۔ یہ شخص ملازمت سے سبکدوش ہو کر پنجاب میں آگیا تھا جہاں اس نے رفاہ عامہ کے لئے ایک سرائے بنائی جو "سرائے امانت خان" کے نام سے مشہور ہوئی اور حسن اتفاق سے آج بھی موجود ہے بدقسمتی سے یہ نام "سرائے امانت خاں" جو اس تمام علاقہ کا نام تھا آج سکھوں کی وجہ سے اس کا نام امرتسر ہو گیا ہے اور یہ سرائے بذات خود آج بھی یہاں سے چند میل کے فاصلہ پر موجود ہے اور فن تعمیر عہد شاہجہاں کا ایک خاص نمونہ ہے اس پر اعلیٰ کاشی کاری کی ہوئی ہے اور اس پر آیات قرآن کریم اور احادیث اعلیٰ کتابت کی ہوئی ہیں۔

غرضیکہ عہد اکبر میں ایک کتاب کما حقہ اعلیٰ کتابت و مصور و جلد سازی وغیرہ کا صحیح نمونہ بنانے کے لئے اس عہد میں اس قدر اعلیٰ فن کار بحیثیت ایک منظم محکمہ کے کام کرتے اور اسی طرح اعلیٰ مراعات ان فن کاروں کو دربار بادشاہی سے میسّر تھیں۔ یہی حوصلہ افزائی وجہ ہے کہ اس وقت فن کتابت کا بہت اعلیٰ بلند معیار تھا۔ اور بے شمار اعلیٰ مستند کتب ادب تاریخ۔ مذہب وغیرہ تیار ہو گئی تھیں۔

اکبر کے عہد میں ابتدائی سالوں میں ایک مشہور کاتب سلطان بایزید دوری کا نام ملتا ہے جو میرے خیال میں ہمایوں کے زمانہ میں ہی ایران سے آگیا تھا۔ یہ محض حسن اتفاق تھا جیسا کہ ہم نے اوپر درج کیا ہے اتفاق سے مجھے ناگور راجپوتانہ کے مشہور مقام میں مندرجہ ذیل کتبہ سنگ مرمر کی سل پر ٹوٹا ہوا میسر آیا جس کی پیمائش مشکل سے پونے دو فٹ اور ڈیڑھ فٹ تھی اور وہاں یہ کتبہ شہر کے تالاب کی مسجد کی پردہ دیوار پر محفوظ کیا ہوا تھا جو بادی النظر میں کوئی اہم نہیں تھا اور کونوں پر یہ ٹوٹا ہوا بھی تھا کسی نے محض دیوار کے نقص کو چھپانے کی غرض سے وہاں یہ پتھر لگا دیا تھا اور مرور ایام کی وجہ سے ان کے ابھرے ہوئے حروف بھی مٹی سے بھر چکے تھے مگر میں نے ان کو عمدگی سے کھرچ کر صاف کر کے ان کا چربہ لیا تو ذیل کے اشعار اس سے برآمد ہوئے۔

بجائے ایں نہاتے پاک دلکش   در اول بود جائے (دولتے)

بدوراں جلال الدین محمد　　شہ اکبر کہ باداو را د بقائے،

نسبتی! شیخ دین عبدالغنی شد　　چنیں شیریں بنائے دل کشائے

چو بائے بانی از وے دور کردند　　بجو تاریخ او از خوش بنائے

قائلہ وکاتبہ کاتب الملک المشتہر بدوری

یہ کتبہ نہایت اعلیٰ نستعلیق طرز میں ۹۶۷ھ میں مسجد کی تعمیر بعہد بادشاہ اکبر کسی شیخ عبدالغنی بانی مسجد کے لئے کاتب الملک جو دوری کے لقب سے مشہور ہے لکھا ہے اور آخیر مصرع کتبہ سے ۹۶۷ھ سال برآمد ہوئے ہیں۔ اور دوری خود شاعر بھی تھا۔

چنانچہ کاتب الملک دوری کے متعلق عرض ہے کہ اس کا تذکرہ ملا عبدالقادر بداونی کی تصنیف منتخب التواریخ کے علاوہ بعض دیگر کتب میں بھی ملتا ہے جن سے واضح ہے کہ اس کا پورا نام "سلطان بایزید بن میر نظام دوی" تھا اور یہ شخص امام دوری عراقی کے خاندان سے تھا یا ان سے عقیدت رکھتا تھا مگر یہ بذاتِ خود ہرات کا باشندہ تھا اور شاعر بھی تھا اور دوری تخلص کرتا تھا جیسا کہ اس کتبہ سے بھی عیاں ہے اسے مہر علی ہروی سے تلمذ بھی حاصل تھا اور اکبر کے دربار سے خطاب "کاتب الملک" ملا تھا۔ اس کی لکھی ہوئی ایک اور کتاب مثنوی "دول رانی خضر خاں" مصنفہ امیر خسرو کپورتھلہ کے کتابخانہ میں محفوظ ہے اس میں ابتدائی عہد اکبر کی دو تصاویر بھی ہیں جن میں ایرانی عنصر زیادہ غالب ہے۔

عام طور پر عہد اکبری میں استاد ہفت قلم اشرف خان میر منشی تھا جو شاعر بھی تھا اور خاص کر خط دیوانی لکھنے میں ماہر تھا جس میں عام طور پر فرمان لکھے جاتے تھے اس کا اصل نام محمد اصغر تھا اور زمرہ امرائے کبار میں شمار ہوتا تھا اس کا ذکر اکبر نامہ اور طبقات اکبری کے علاوہ بداونی کی تاریخ منتخب التواریخ میں بھی ملتا ہے اس کا انتقال ۹۷۳ھ میں بلدہ گور قریب ٹی حاکہ ہوا تھا اور اس اشرف خان کے احباب میں ایک شخص محمد یوسف بھی اعلیٰ کاتب تھا جو عنفوان شباب میں ۹۸۰ھ میں فوت ہوا۔

ہم نے ابتدا میں محمد حسین کشمیری زریں قلم کا ذکر کیا ہے جس نے بہت شہرت پائی اور عالم میں ید بیضا ہو کر چمکا اکبر عرش آشیانی نے اسے مغل شہزادگان کی تعلیم خط کے لئے بھی مقرر کیا تھا۔ ابوالفضل نے اسے جادو رقم لکھا تھا میں نے خود محمد حسین زریں قلم کے بے شمار نمونے خطاطی دیکھے ہیں۔ وہ ہر دو ر اکبر اور جہانگیر کے عہد میں دربار مغلیہ سے منسلک رہا اور اس کا انتقال جہانگیر کے عہد میں ۱۰۲۰ھ میں ہوا اس کی قلم کے لکھے ہوئے میں نے بیشمار نمونے دیکھے ہیں مگر حسن اتفاق سے اس کی قلم کا لکھا ہوا نسخہ

گلستان سعدی لنڈن میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی میں محفوظ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے ۔

> کتبہ العبد المذہب الفقیر محمد حسین الکشمیری غفر اللہ ذنوبہ و ستر عیوبہ ۔ فی مشہور سنہ تسعین و تسعمایۃ بیلدہ فتح پور ۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ محمد حسین کشمیری نے یہ نسخہ فتح پور سیکری میں بیٹھ کر ٩٩٠ھ میں لکھا ہے مگر اس نسخہ کے ترقیہ کی تصویر میں تین اشخاص کی تصاویر بھی ہیں جن میں سے ایک تو محمد حسین کشمیری خود کی شبیہ ہے جس کے ہاتھ میں وصلی ہے جس پر لکھا ہے "اللہ اکبر صورت شبیہ حسین زریں قلم" اور اس کے سامنے ایک مصور بیٹھا ہے جو ایک الگ وصلی اپنے ہاتھ میں اٹھائے ہے جس پر لکھا ہے محل "منوہر بن بساون" یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ تمام نمونہ خطاطی اور مصوری مغل عہد کی فن کتابت کے ضمن میں بیش بہا خزانہ ہے اس کے بغیر اس کی تاریخ فنون لطیفہ مکمل ہی نہیں ہو سکتی اور یہ تمام سہرا کاتب محمد حسین کے سر ہے اسی طرح محمد حسین کے دیگر بیشمار نمونے بھی ملتے ہیں اور اس تصویر میں تیسرا شخص غالباً یہ کوئی شاگرد ہے ۔

عبد الرحیم کاتب

عبد الرحیم کاتب کا ذکر آئین اکبری میں ملتا ہے مگر بعض شواہد سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس نام کے کئی کاتب تھے ۔ مسٹر پرسی براون نے اپنی کتاب "مصوری مغلوں کے عہد میں" ایک مصوّر مخطوطہ خمسہ نظامی سے اس کا ترقیہ دیا ہے جس کے مندرجہ ذیل الفاظ بہت دل چسپ ہیں ۔

> " ابو الفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی ظل اللہ خلد سلطنت و اقبالہ بلکک ارادت سلک بندہ قدیم فقیر الحقیر عبد الرحیم در بیست و چہارم ماہ آذر سال چلم الٰہی از جلوس ابد پیوند پادشاہی امید کہ بر صفحہ کائنات تا نام و نشاں قلم و رقم باشد منشور سلطنت اقبال بطغری غرای آنحضرت سر بلندی باید بعزت پاکاں نہاد تمت تم ۔"

اور اسی ترقیہ کے دائیں اور بائیں ذیل کے الفاظ لکھے ہیں ۔

> " باہتمام مرید در چہار مرتبہ اخلاص پائے بر جا شریف صورت اتمام پذیرفت "

ترجمہ انوار سہیلی سے مختلف ہے اس لئے یہ دو الگ الگ شخص ہیں۔ اور میں نے یہ چند کتبات از راجپوتانہ ہندوستان کے محکمہ آثار قدیمہ کے سرکاری مجلہ ایپی گرافیا اندو مسلیمکا (۱۹۵۰ء) میں طبع کئے تھے ان میں سے ایک کاتب "عبدالرحیم ناگوری اشتہارہ رحیمی" نے ایک مسجد کا کتبہ بعہد اکبر ۹۹۰ھ میں لکھا ہے۔ اسے ایک اور شخص مسمی 'عبدالرحیم روشن قلم' کے نمونے بھی اسی عہد اکبر کے ملتے ہیں جس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک 'عرضداشت' میں نے پونہ میں سنشودک منڈل یعنی مرہٹہ تاریخ کا تحقیقی ادارہ میں دیکھی تھی جس میں لکھا ہے کہ بندہ اب سن عمر رسیدہ ہو چکا ہے، ورنہ توانائی قدیم کتابت کے لئے اب نہیں ہے اس لئے اسے سبکدوش کر دیا جائے اور کتابت پر محمد حسین اور عبداللہ کو مقرر فرمایا جائے۔ اتفاق سے قلعہ دہلی کے عجائب خانہ میں ایک مخطوطہ "چہار مجالس" مصنفہ علاؤالدولہ سمنانی محفوظ ہے جو اتفاق سے عمدہ مصور بھی ہے اسے عبدالرحیم روشن قلم نے سنہ ۱۰۲۰ھ میں آگرہ میں اعلیٰ نستعلیق طرز میں لکھا ہے جو یقیناً عنبریں قلم سے مختلف ہے۔ غرضکہ عبدالرحیم۔ نام کے اکبر کے عہد میں اور کاتب بھی تھے اور عبدالرحیم روشن قلم کی عرضداشت میں غالباً محمد حسین زریں قلم اور عبداللہ مشکیں قلم سے مراد ہے۔

اس متذکرہ بالا مرقع جہانگیر پونہ مجموعہ مسٹر اردشیر میں مندرجہ ذیل خطاطوں کے بھی نمونے ہیں۔

محمد صالح الحسینی المتخلص بکشفی۔ محمد مومن سنہ ۱۰۵۱ھ عبدالرحیم الھروی۔ محمد حسین کشمیری۔ میر سید عبداللہ وصفی۔ عماد۔ عبدالرشید و میر علی الکاتب۔

عبداللہ مشکیں قلم

میر عبداللہ مشکیں قلم عہد اکبر میں بہت بڑا کاتب تھا یہ سادات ترمذ سے تھا اور اولاد شاہ نعمت اللہ ولی ہی سے تھا اور اکبر نے ہی آپ کو "مشکیں قلم" کا خطاب دیا تھا اور فن خطاطی میں آپ مولانا شاہ غیاث اور مولانا راقمی کے تلمیذ تھے شاعری میں وصفی تخلص کرتے تھے آپ نے ایک دیوان اور مثنویاں یادگار چھوڑی ہیں اور والدہ کی طرف سے آپ مرزا نظام الدین احمد سے رشتہ رکھتے تھے آپ کے لکھے ہوئے خطاطی کے نمونوں میں بہترین وہ کتبات ہیں جو آپ بھی الہ آباد کے قلعہ میں اور باغ خسرو کے اندر مقبروں پر لکھے ہیں مگر میرے نزدیک آپ کا بہترین نمونہ دیوان حسن بجزی ہے جو حسن اتفاق سے باٹی مور امریکہ میں والٹرز آرٹ گیلری میں محفوظ ہے اور اس میں انکی ذاتی تصویر بھی ہے جسے راقم نے خوب دیکھا ہے۔ جس کا ترقیمہ یہ ہے۔

"کتبہ المذنب احقر عبداللہ مشکیں قلم غفر اللہ ذنوبہ و ستر عیوبہ ۱۰۱۱ھ"

ان کے علاوہ اسی ترقیمہ میں عبدالرحیم کی ذاتی تصویر بھی شامل ہے جبکہ ایک مصور اس کے بالمقابل بیٹھا اس کی شبیہ بنا رہا ہے۔ مگر اس سے یہ واضح نہیں کہ یہ مخطوطہ کہاں تیار ہوا تھا بہرحال ترقیمہ سے یہ واضح ہے کہ عبدالرحیم نے اسے چالیسویں سال جلوس میں لکھا تھا اور زیر اہتمام شریف بن عبدالصمد تیار ہوا تھا جیسا کہ مندرجہ بالا رزم نامہ کے ترقیمہ سے بھی یہ واضح ہے اور وہ مرید چار مرتبوں میں ہے جیسا کہ آداب المریدین سے واضح ہے کہ چار مرتبے یہ تھے "جان ، مال ، و ناموس اور دین"۔

ماثر رحیمی کے مطالعہ سے یہ واضح ہے کہ ایک کاتب جس کا نام عبدالرحیم کاتب تھا ہرات سے آگرا اول عبدالرحیم خان خاناں کی ملازمت میں شامل ہو کر کئی سال رہا پھر وہاں سے اکبر کے دربار میں آگیا۔ اکبر کے بعد وہ جہانگیر کے عہد میں بھی دربار سے منسلک رہا تھا اس کی قلم کا لکھا ہوا ایک انوار سہیلی کا مصور نسخہ بنارس کلا بھون میں محفوظ ہے جس کے ترقیمہ کو ہم یہاں شائع کر رہے ہیں جس میں عبدالرحیم کاتب کی اپنی تصویر بھی ہے جس سے واضح ہے کہ اس نے یہ مخطوطہ لاہور میں سنہ ۱۰۰۵ھ میں لکھا تھا۔

علی ید الفقیر المذنب عبدالرحیم الھروی ستر اللہ عیوبہ بدار السلطنۃ

لاہور مرقوم گشت سنہ ۱۰۰۵ھ

اس تصویر میں اس کے ہمراہ ایک مصوّر بھی بیٹھا ہے۔ انڈیا آفس لائبریری لندن میں جانسن مجموعہ میں ایک نستعلیق میں وصلی پر عبدالرحیم الھروی سنہ ۱۰۰۶ھ لکھا ہے۔

اتفاق سے پونہ (انڈیا) میں عرصہ ہوا ایک پارسی رئیس مسٹر اے سی اردشیر کے مجموعہ میں ایک حصہ مشہور مرقع جہانگیر کے دیکھنے کا اتفاق ہوا جس میں اتفاق سے بے شمار اعلیٰ نستعلیق خطاطی کے نمونے تھے اور ان میں کافی عبدالرحیم عنبریں قلم کے تھے جن کے مطالعہ ملتا ہے۔

کتبہ الفقیر حقیر عبدالرحیم عنبریں قلم جہانگیر شاہی بدار السلطنۃ آگرہ سنہ ۱۰۲۶ھ

یا سنہ ۱۰۲۷ھ یا سنہ ۱۰۲۶ھ۔

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ جہانگیر کے دربار سے منسلک رہا اور اس سے قبل وہ جب اکبر کے دربار سے منسلک تھا تو وہ ہمیشہ اپنے نام کے ساتھ "ھروی" لکھتا تھا اور مندرجہ بالا ترقیمہ خمسہ نظامی میں جو تصویر ہے وہ تصویر

اس نسخہ کے ترقیمہ میں غیر معمولی امر یہ ہے کہ اس میں عبداللہ مشکیں قلم کی اپنی ذاتی تصویر بھی شامل ہے اور آپ کا ایک چیلہ بھی سامنے بیٹھا ہوا ایک مصور ہے جو وصلیاں تیار کر رہا ہے اس تصویر میں ایک کاغذ آپ کے ہاتھ میں دکھایا گیا ہے جس پر مندرجہ ذیل الفاظ لکھے ہیں۔

"یا مالک الملک شبیه میر عبدالله کاتب در بلده الہ آباد صورت اتمام یافت تحریرا فی ۲۷۔ محرم الحرام ۱۰۱۱ھ"

غرضیکہ ہم نے یہاں تین ایسے اعلیٰ کُتّاب کے نمونے اور ان کے مختصر حالات بعہد اکبر جمع کر دیے ہیں جن کی اپنی ذاتی معاصرانہ تصاویر بھی میسر ہیں اور یہ تاریخ فن و ثقافت میں ایک غیر معمولی امر ہے اور یہ کسی اور ملک اور قوم کو حاصل نہیں ہے۔ اور یہ تاریخ فن ثقافت میں ایک غیر معمولی امر ہے۔

میر عبداللہ مشکیں قلم کے دو فرزند میر محمد صالح اور میر محمد مومن تھے جن کے کارنامے بحیثیت اعلیٰ کاتب بھی شاہجہاں کے دربار میں میسر آتے ہیں اور شاہجہان کے تحت ہم ان کا ذکر ذرا تفصیل سے بیان کریں گے۔

ویسے میں نے اکبر کے عہد سے متعلق پیر محمد۔ ملا موزوں کے بھی کارنامے خطاطی میں دیکھے ہیں جن کا ذکر ملا بدایونی نے بھی کیا ہے مگر اکبر کے عہد میں بعض کتابہ نویس بھی اعلیٰ کاتب تھے جن میں سلطان محمد سمرقندی جس کا نمونہ کتابت آج بھی رہتک میں موجود ہے اور ناگور میں چند اہم کتبات عہد اکبر موجود ہیں جن میں سے قابل ذکر ایک کتبہ ہے جو جنگل میں ایک ستون پر محفوظ ہے۔

در زمان ولی والی عہد — شاہ اکبر شہ بحق موصول!
مسجدے ہمچو کعبہ کرد بنا — کہ بود قبلہ فروغ و اصول
حسب تاریخ او وصالی گفت — بیت کل تقی حدیث رسول

مشقہ العبد المذنب الربی درویش محمد الحاجی المشہور بالرزمی۔

یعنی کتبہ کو تو درویش محمد المشہور بالرزمی نے ۹۷۰ھ میں لکھا اور "بیت کل تقی" سے ۹۷۰ھ نکلتے ہیں مگر اشعار کو وصالی شاعر نے کہا ہے جس کا پورا نام میر علاؤ الدین تھا اور اس کا انتقال ۹۸۰ھ میں ہوا تھا۔ اسی طرح ناگور میں ایک کتبہ اعلیٰ

نستعلیق طرز میں بعہد اکبر موجود ہے جس کے نیچے لکھا ہے "قاتلہ نعمت اللہ و کاتبہ جان محمد اور تاریخی طور پر یہاں ایک قلعہ قاضی عماد الملک نے ... اھ میں زیر نگرانی قزوینی تعمیر کیا تھا اور یہ شخص ایران سے آیا تھا۔ اور اسی علاقہ ناگور میں مقیم رہا۔

آئین اکبری میں نوراللہ۔ میر حسین کلنگی وغیرہ کو بھی عہد اکبر میں شامل کیا ہے جس کے نمونے آج بھی ملتے ہیں حسن اتفاق سے میر کلنگی کا لکھا مخطوطہ فارسی اشعار میں آج بھی موجود ہے جسے اس نے لاہور میں ۹۸۳ھ میں لکھا تھا اور کئی دیگر نمونے اکبر کے عہد میں شاہی کتب خانہ میں متقدمین کے لکھے ہوئے جمع کئے گئے تھے تاکہ ان سے فیضان حاصل ہوتا رہے جس کی تفصیل الگ دی گئی ہے۔

ہرات کے سلطان حسین مرزا بائقرا کی وفات (۹۱۱) سے سلطنت تیموری کے خاتمہ کے بعد ہرات کے اکثر فن کار اور اعلیٰ کاتب ادھر ادھر پھیل گئے اس ضمن میں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ اس کا لڑکا مرزا بدیع الزمان جو در اصل امیر سندھ کا داماد بھی تھا جب وہ سندھ میں آیا تو اس کے ہمراہ چند اعلیٰ فن کار اور فضلا بھی ضرور تھے جو سندھ میں آکر آباد ہو گئے تھے اور یہ لوگ براستہ قندھار سندھ میں وارد ہوئے تھے اور خاص کر سندھ کے ضمن میں عرض ہے کہ تاریخ سندھ میں میرزا شاہ حسن ارغون کے دربار میں علماء و مشائخ و فضلاء و شعراء کا ذکر ملتا ہے مگر میر محمود المشہور بہ شیخ میرک بن امیر ابو سعید پورانی کا سلسلہ نسب اپنے اجداد کی جانب سے سادات عرب تک پہنچتا ہے اور شیخ بذات خود خطوط مختلف طرزوں میں خوب لکھتے تھے جن میں تخصیص خط نستعلیق کی ہے۔ آپ کا انتقال ۹۶۲ھ میں ہوا اس ضمن میں تاریخ معصومی کے الفاظ یہ ہیں۔

" در میدان ہنر دری ربودند و شیخ خطوط را خوب می نوشتند بتخصیص خط نستعلیق"

سندھ میں خط کی ترویج میں یہ ایک واضح طور پر محققانہ بیان بہت اہم ہے حسن اتفاق سے شیخ میر محمد اور شیخ عبدالوہاب کی وفات ایک ہی سال ۹۹۰ھ میں ہوئی یہ اعلیٰ خطاط بھی تھے مگر فتا دی پورانی علم فقہ میں شیخ عبدالوہاب پورانی کی نسبت سے کافی مشہور ہے یہ ہر دو بزرگ بایزید اور ابوسعید پورانی کے والد تھے مگر سندھ میں اسی طرح خط کا فروغ براہ راست ایران و توران کے تعلقات کی وجہ سے براستہ قندھار ہوا تھا۔ متذکرہ بالا مرزا بدیع الزمان سیاسی حالات کے تحت پھر ہرات ہی واپس چلا گیا تھا۔ جہاں سے وہ ترکیہ گیا اور اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا تھا مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ مشہور خطاط مولانا اظہر کے تلامذہ میں سے شیخ بایزید پورانی ٹھٹھہ آگئے تھے جیسا کہ مؤرخین نے لکھا ہے اور اس طرح یہاں خط کی ترویج ہوئی۔ مگر سندھ میں سب سے بڑا نستعلیق طرز میں لکھنے والا میر معصوم بھکری خود تھا جو عام طور پر اپنی

تالیف تاریخ سندھ کی وجہ سے بھی کافی مشہور تھا اور اکبر کے دربار سے تعلق رکھتا تھا اس کا والد میر صفائی تھا جس کا مزار قریب ٹھٹہ مکلی پر ہے اور وہ خود ماہر خطاط بھی تھا جس کا انتقال ۹۹۱ھ میں ہوا تھا۔ میر معصوم بھکری کے لکھے ہوئے کتبات طرز نستعلیق میں بڑے سائز پر اکثر مشہور تاریخی مقامات پر پتھر پر کندہ موجود ہیں اور وہ اپنے ہمراہ ان کتبات کے لکھنے کے لئے اپنے لڑکے میر بزرگ کو بھی رکھتا تھا مگر یہ سب نمونے موجود بصورت کتبات عمارات بعہد اکبر ملتے ہیں۔ ویسے وہ بذات خود عہد اکبر کا امیر اعظم بھی تھا اور اکثر اوقات اس نے سفیر کبیر کی حیثیت سے بھی بعہد اکبر ممالک غیر میں فرائض انجام دیے تھے۔ اس ضمن میں اس کا نہایت اہم کتبہ چہل زینہ قندھار ہے۔ جس میں اس نے بابر کی فتح کا بھی ذکر کیا ہے علاوہ اس طرح سندھ میں خطاطی کے بے شمار نمونے بصورت مخطوطات اور کتبات عمارات ٹھٹہ۔ مکلی اور سہون میں قبور اور عمارات پر موجود ہیں جن میں ایک خاص الگ ہی مقامی خصوصیت نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ جب کاتب لکھتا ہے تو اپنے لکھے ہوئے میں نقش و نگار اور زینت کا زیادہ خیال رکھتا ہے اس وجہ سے اکثر نمونے بصورت طغریٰ ہی نظر آتے ہیں معصوم بھکری کے کتبات بطور طغریٰ نہیں لکھے گئے تھے۔

پاکستان میں ملتان بھی ایک قدیم سیاسی و ثقافتی شہر ابتدا سے شمار ہوتا ہے جہاں مسلمان اول صدی اسلام سے ہی آباد ہو گئے تھے اور یہاں مساجد تعمیر ہو گئیں تھیں اور کئی مدرسے اور ادارے بھی قائم ہوئے اکثر مخطوطے لکھے گئے اور ان کے لکھنے والے یہاں کے باشندے تھے یہ مقام زیادہ بزرگان دین اور صوفیائے کرام کا مسکن رہا ہے اور یہیں ملتان کے گرد و نواح میں بھی یہی لوگ زیادہ آباد ہوئے اور ان میں سے اکثر بزرگوں کے مزار آج بھی مرجع خلائق ہیں۔ یہاں ملتان میں کوٹلہ تولے خان میں ایک قدیم مسجد ہے اور اس میں پرانی قبور بھی ہیں اور ایک قبر صغر قلی کی ہے جس پر ایک لوح سنگ مرمر کھڑی ہے جس کے ہر دو جانب اشعار نہایت عمدہ خط نستعلیق میں کندہ ہیں۔ ان میں سے ذیل کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

کان کرم سپہر سخاوت صغر قلی   کز جود رنگ ز آئینۂ قلب منیر دود
یارب طلال رحمت خاکپاء سازمنش   کہ درا بغیر لطف تو ہیچ التجا نبود

الفقیر الحقیر خاکپائے عزا سید حمیت اللہ بلہری

تحریراً فی مشہور سنہ تسع و الف ذکریا ابن استا محمد ولد جیون ملتانی۔

اِس شہر میں مجھے خود سید رمضان علی شاہ گردیزی کے ہاں چند قدیم مخطوطے دیکھنے کا اتفاق ہوا اور ان میں سے ایک

"توزک جہانگیری" کا نسخہ تھا جسے جہانگیر نے خود لکھا تھا اور اس پر شاہجہاں کی تصویر بھی ہے اور یہ بہت نایاب ہے۔

فنِ کتابت لاہور میں بعہد اکبر

لاہور ابتدا سے ہی عام طور پر ہر عہد میں ایک اعلیٰ متمدن اور علمی مرکز رہا ہے۔ یہاں بڑے بڑے فضلاء، علماء اور ماہرین ہو گزرے ہیں خوش قسمتی سے تاریخی زمانہ زیر بحث میں ہمیں یہاں بھاٹی دروازہ والی اونچی مسجد کی عقب والی دیوار میں اندر کی طرف محراب میں اور دوسرے دائیں اور بائیں محرابوں میں عربی زبان میں خطِ ثلث میں تین کتبات ملتے ہیں۔ ان میں دو تو آیات قرآنی پر متعلق مسجد ہیں اور تیسری محراب بائیں طرف میں اکبر کا نام ہے۔ اس میں اکبر بادشاہ کی کنیت ابوالفتح لکھی ہے جس سے ہم اکبر کا بالکل ابتدائی زمانہ تعین کرتے ہیں جبکہ یہاں علوم و فنون کا چرچا تھا مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اکبر یہاں لاہور میں متواتر ۹۹۸ھ سے لے کر ۱۰۰۸ھ تک مقیم رہا اور لاہور کو اس زمانہ میں "دارالخلافہ" کی حیثیت حاصل تھی جبکہ یہاں بے شمار علمی کارنامے بھی اکبر کی سرپرستی میں وجود میں آئے جن کو شاہی کاتبوں نے انجام دیا تھا جس میں خاص کر داراب نامہ تاریخ الفی جس کا مخطوطہ کلکتہ میں تھا۔ انوار سہیلی کا مخطوطہ از قلم عبدالرحیم الھروی مرقومہ ۱۰۰۵ھ۔ بہارستان جامی جو آج بھی باڈلین لائبریری آکسفورڈ میں موجود ہے۔ دیوان حافظ جو ۱۰۰۶ھ میں لکھا گیا تھا جو آج بھی ہندوستان نیشنل میوزیم۔ نئی دہلی میں موجود ہے۔ نسخہ یوسف زلیخا ۹۹۸ھ میں یہاں لاہور میں لکھا گیا اور آج مطبوعہ مخطوطات پروفیسر شیرانی پنجاب یونیورسٹی میں موجود ہے۔ ظفر نامہ کا مصور نسخہ خمسہ نظامی ہے جو لاہور میں ۱۰۰۳ھ میں مصور تیار ہوا جسے کاتب عبدالرحیم نے لکھا تھا۔ اور آج ڈائسن پیرز پیرس کے مجموعہ میں محفوظ ہے۔ جامع التواریخ رشید الدین فضل اللہ کا نایاب نسخہ طہران کے کتابخانہ ملی میں محفوظ ہے جو لاہور میں ۱۰۰۴ھ میں لکھا گیا یہ یورپ میں طبع ہو چکا ہے غرضیکہ ان تمام مخطوطات پر الگ الگ طویل مضامین لکھے جا سکتے ہیں جن سے ان کی تاریخی اور ثقافتی اہمیت کے علاوہ لاہور بذات خود بحیثیت علمی شہر کے بھی زیادہ واضح نظر آئے گا۔

پاک و ہند میں اسلامی کتب خانے

اگرچہ براہِ راست موضوع کتاب کا تعلق اس عنوان سے نہیں ہے مگر ان کتب خانوں میں تمام مخطوطے آخر ان کاتبوں نے لکھے ہیں جو اس وقت یہاں میسر تھے جن سے فن کتابت ضرور وابستہ ہے اس لئے ضروری ہے کہ ان مخطوطوں کو آخر کتاب خانوں کی زینت بنایا گیا۔

اسلامی ثقافت کے مطالعہ کے کئی پہلو ہیں مگر سب سے اول اور سب سے اہم وہ شعبہ علم ہے جس سے کسی قوم کی تہذیب کی صحیح حقیقت کا اندازہ ہوتا ہے وہ اس قوم کا سرمایہ ادب و تاریخ جس سے ہم کسی نتیجہ پر فوراً پہنچتے ہیں اور وہ ہمیں ہر وقت محفوظ صورت میں کتب خانوں میں ملتا ہے چونکہ ہمارا موضوع یہاں محض کتابت اور کاتبوں تک محدود ہے اس لئے ہمیں محض یہاں یہ دیکھنا ہے کہ یہاں پاک و ہند میں ابتدا سے ان علمی نوادرات کو عمدگی سے لکھ کر اور مجلد کر کے محفوظ کیا گیا ہے ۔ ایک دفعہ سید حسن بلگرامی نے فرمایا تھا کہ الف لیلہ ۔ صحیح بخاری جیسی کتابیں جب تک محفوظ اور زندہ ہیں ہم بھی زندہ رہیں گے ۔ آج تک اسکندریہ کے کتب خانہ کے قبل اسلام ضائع ہو جانے یا مسلمانوں کے اسے تباہ کرنے کے من گھڑت افسانے اعادہ کئے جاتے ہیں بہر حال یہ تمام خزانے ہم تک فن کتابت کے ذریعے ہی پہنچے ہیں۔

مولانا شبلی نے ایک محققانہ مضمون بعنوان " اسلامی کتب خانے " لکھ کر اس طرح اسلامی تاریخ اور ثقافت اسلامی کے اس پہلو کو پیش کیا تھا جس میں اسلامی دنیا میں اسلامی کتب کے مجامیع پر روشنی ڈالی گئی ہے اور سب سے بڑھ کر اس طرح جغرافیائی حدود کو بھی علم کی اشاعت کے ضمن میں مٹا دیا جا رہا ہے کہ اسلام بھی ایک ایسا مذہب و ملت ہے جس سے انسان اپنے آپ کو عالم اسلامی کا ایک فرد سمجھتا ہے اور واقعی وہ ہے بھی مگر انسان ہر طرح بڑے مصنفین اور علماء کی کوششوں سے ان کی کتابوں کے ذریعہ جغرافیائی حدود کو عبور کر کے ایک رشتہ میں منسلک ہوتا ہے اور اس طرح مشرق و مغرب کی دوئی کو مٹا کر ایک مقام پر آجاتا ہے یہ سب کچھ فن کتابت ہی کا کرشمہ ہے ۔ یہ ایک طویل اور بہت دلچسپ داستان ہے چونکہ ہمارا موضوع زیادہ تر تاریخ کتابت ہے یعنی ایک ماہر کاتب ہی ان مصنفین کے خیالات کو کتابوں کی صورت میں سر انجام دے سکتا ہے اگرچہ بعض اوقات مصنف کتاب خود بھی اعلیٰ کاتب ہوتا ہے غرضکہ اس طرح ایک عظیم کتاب خانہ وجود میں آتا ہے ۔

کتاب خانہ کا وجود یہاں پاک و ہند میں ابتدا قیام سلطنت اسلامیہ سے ہی ہو گیا تھا مگر اس سے بہت پیشتر اسلامی ممالک میں کئی کتب خانے قائم ہو چکے تھے اور وہ اپنے علمی نوادر اپنی دیگر خصوصیات کے اعتبار سے مشہور بھی تھے ۔ اس ضمن میں " فہرست ابن ندیم " کا وجود ۳۷۹ھ سے ملتا ہے جو بذاتِ خود ایک منظم کتاب خانہ کی فہرست کتب ہے ۔ یاقوت حموی متوفی ۶۲۶ھ نے مقام مرو (ماری) کے کتب خانہ کا ذکر اپنی معجم البلدان میں کیا ہے جس سے واضح ہے کہ اعلیٰ پیمانہ پر کئی مقامات پر کتب خانے موجود تھے اور وہ اپنی چند خصوصیات کی وجہ سے ضرب المثل بھی تھے مگر یہاں پاک و ہند

میں بعض موجودہ عجائب خانوں اور کتب خانوں میں بعض قدیم مخطوطوں پر مہریں اور دیگر تحریروں سے قبل عہد مغلیہ کے کتبخانہ کا وجود ملتا ہے کہ بعض مقامات پر یہ کتب خانے موجود تھے میں نے اکثر مخطوطے قدیم اور عہد تغلق کے بھی دیکھے ہیں اور لودھی خاندان کے کثرت سے ملتے ہیں جن پر ان بادشاہوں کے عہد کی مہریں بھی ہیں یعنی ان کتب خانوں میں یہ مہریں موجود تھیں اور اعلیٰ فن کتابت کے اعلیٰ مذاق کا پتہ بہم پہنچاتی ہیں۔

یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ ابتداء میں عہد مغلیہ سے قبل بھی علیٰحدہ عمارت برائے کتب خانہ کا وجود نہیں ملتا۔ کیونکہ تعلیمی ادارے عام طور پر مساجد اور خانقاہیں تھیں یہی وجہ ہے کہ تمام علمی خزانے عام طور پر ان عمارتوں میں ہی محفوظ ہوتے تھے اور سلاطین کے دربار میں علماء و فضلاء عام طور پر جمع ہوتے۔ البتہ علامہ احمد ابن علی القلقشندی نے کتاب صبح الاعشیٰ میں سلطان محمد تغلق کے عہد کے ضمن میں لکھا ہے کہ اس عہد میں ایک ہزار علمی ادارے محض دہلی میں تھے اور سلطان بذاتِ خود بہت بڑا عالم و فاضل تھا بہت بڑا انسان اور اعلیٰ تربیت یافتہ کاتب تھا۔ اسے تاریخ سے بہت دل چسپی تھی اور فلسفہ اور طبیعات و فلکیات میں اسے دخل تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ہاں ایک اعلیٰ کتاب خانہ تھا۔

اخبار الاخیار کے مطالعہ سے شیخ سراج الدین عثمان کے بیان میں ملتا ہے۔

"ـــــ بعد ازاں پیش مولانا رکن الدین کافیہ و مفصل و قدوری و مجمع البحرین
تحقیق کرد و بعد ازاں نقل شیخ نظام الدین قدس سرہ سہ سال دیگر تعلیم کرد و بعضی
کتب از کتاب خانہ از شیخ وقف بود ـــــ"

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان بزرگان دین و صوفیائے کرام کے ہاں باقاعدہ علمی ادارے تھے اور وہ ادارے عام طور پر مستقل کتب خانوں سے بھی مرجع تھے اور ہر طالب علم اس سے مستفید ہوتا تھا۔ بزرگوں کے ان حالات میں تمام متداول کتب کے اسماء وغیرہ دیے ہیں یعنی یہ ایک باقاعدہ درس گاہ کا صحیح تصور ہے اور اس وقت کتابوں کے لکھ کر تیار کرنے کے باقاعدہ ادارے تھے۔ ہم نے اوپر فوائد الفواد کے حوالہ سے درج کیا ہے کہ کتابوں کے نقل کرنے اور نقل کرنے والوں کی اجرت کا باقاعدہ نظام تھا اور سامان کتابت بھی فراہم کیا جاتا تھا۔ ہم پہلے اوپر اس عہد کے متعلق لکھ چکے ہیں عہد تغلق میں ہمیں ہر حال میں یہ تصور کرنا ہوگا کہ فیروز شاہ تغلق کے زمانہ تک کتاب خانہ مستقل حیثیت اختیار کر چکا تھا جبکہ اس نے اس قدر عمارتیں بنوائی تھیں اس کے عہد میں تاتار خاں ایک بہت بڑا فاضل تھا اور قرآن کی تفسیر کے

ضمن میں اس کا حوالہ ملتا ہے جو "تفسیر تاتارخانی" کے نام سے مشہور ہے اس نے اس کے لئے ایک خاص کتابخانہ جمع کیا تھا اور فتاویٰ تاتارخانی کے حوالے ملتے ہیں یعنی یہ سب انتظام کتاب کے ہاتھ میں تھا جو کتاب اس وقت اس کے ہاں موجود تھے اور عہد لودھی میں خاص کر غازی خاں کا ذکر ملتا ہے جس کا بہت اعلیٰ منظم صورت میں قلعہ دہلی میں کتابخانہ تھا جس پر بابر نے قبضہ کیا تھا۔ توزک بابری میں لکھا ہے۔

> بروز دوشنبہ۔ غازی خاں کتب خانہ میں گیا کچھ کتابیں اچھی نکلیں کئی ہمایوں کو دیں اور کئی کامران کو بھیجیں۔ ملاؤں کے مطلب کی زیادہ کتابیں تھیں جیسی عمدہ کتابوں کی امید تھی ویسی نہ نکلیں۔

غازی خاں دراصل ابراہیم لودھی کا خاص درباری تھا اور قلعہ دہلی میں اس کا ایک کتب خانہ تھا جس پر بابر نے قبضہ کیا تھا۔

کتاب خانہ عہد مُغلیہ میں

کتب خانہ کی موجودگی کا صحیح تصور ہمیں عہد مغلیہ میں ملتا ہے جبکہ عہد انتظام سلطنت زیادہ منظم تھا اس کا ثبوت و مشاہدہ آج بھی ان لاکھوں مخطوطوں سے ہو سکتا ہے جو عہد مغلیہ کے شاہی کتب خانہ میں بھی تھے اور آج وہ تمام دنیا میں عجائب خانوں۔ کتب خانوں اور شائقین کے مجموعوں میں جو یورپ۔ ایران۔ توران۔ افغانستان اور روس میں محفوظ ہیں اگر یہ تمام کتب خانہ یہاں انقراض سلطنت کے وقت محفوظ کر لیا جاتا تو ان تمام نوادر کا ایک جگہ مطالعہ اور مشاہدہ کا موقع ملتا ہے جس سے عہد مغلیہ میں صحیح مذاق علمی کا بھی اندازہ کر سکتے بہرحال ان سے ہمیں نہایت مفید معلومات میسر آتی ہیں۔

بابر جب یہاں آیا تو کتابیں اس کے ہمراہ تھیں اور وہ مطالعہ کرتا آیا تھا یعنی اس کا محبوب کتب خانہ اس کے ہمراہ تھا اس کے علاوہ اس کے ہمراہ علماء و فضلاء بھی تھے جن کا ذکر اس کی توزک میں ہے جن سے وہ فرصت پر مذاکرہ کرتا تھا۔ ہمایوں سے متعلق یہ ملتا ہے کہ اس کا کتب خانہ ہر وقت سفر و حضر میں اس کے ہمراہ رہتا تھا اور مراۃ سکندری کے مصنف کے والد شیخ محمد مہنجو اس کا کتاب دار تھا۔ ایک دفعہ وہ گجرات میں کہیں خیمہ زن تھا۔ رات کو چور کتب خانہ۔

کا تیمور نامہ چرا کر لے گئے جو سلطان علی کا لکھا ہوا اور بہزاد نے اسے مصوّر کیا تھا جب وہ ہندوستان سے شکست خوردہ ہو کر تبریز گیا تو وہ شاہ طہماسپ کا مہمان تھا مگر اس نے وہاں بھی اپنا ایک کتب خانہ پیدا کر لیا تھا اور اسی بنا پر وہ اپنے ہمراہ خواجہ عبدالصمد شیریں قلم اور میر سید علی تبریزی کو لے آیا تھا اسے مؤرخ ڈی لیٹ نے اپنی تاریخ میں اکبر کے کتب خانہ کے متعلق بیان کیا ہے کہ اس میں بیالیس ہزار کتابیں یعنی جن کی قیمت ۵، ۶۳، ۶۴ روپیہ تھی اس سے اندازہ کرنا چاہیئے کہ عہد مغلیہ کے اختتام تک یہ کتب خانہ کہاں تک پہنچ گیا ہوگا یعنی لاکھوں کتابیں تھیں ان مصوروں اور کاتبوں نے داستان امیر حمزہ وغیرہ کے مصوّر نسخے تیار کئے تھے۔

عہد اکبر میں جن کتابوں کو تیار کیا گیا ان کو کسی قدر آئین اکبری میں ابوالفضل نے بیان کیا ہے ان کو اعلیٰ کاتبوں نے لکھا اور اعلیٰ بہزاد قلم مصوروں نے ان کو مصوّر کیا تھا اکبر خود ان کتابوں کو روزانہ رات کو سنتا تھا۔ بہرحال ہم یہاں رزم نامہ یعنی مہابھارت کا ترجمہ فارسی میں کیا گیا اور اسے دربار کے مصوّروں نے مصوّر کیا۔ اس کا اصلی مصوّر نسخہ اکبری آج بھی اتفاق سے جے پور ریاست کے سرکاری کتاب خانہ (پوتھی خانہ) میں محفوظ ہے ہم یہاں بطور مثال اس کی کیفیت پیش کرتے ہیں اس کا ترقیمہ ہمیں ان کتابوں کی کیفیت کا صحیح اندازہ کرنے میں مدد دے گا چنانچہ ترقیمہ یہ ہے۔

باہتمام مرید درچہار مرتبہ اخلاص۔ پائے بر جائے شریف عبدالصمد صورت
اتمام یافت۔

یعنی اسے خواجہ محمد شریف بن خواجہ عبدالصمد شیریں قلم کے اہتمام سے تیار کیا گیا تھا۔ یہ ہر دو باپ اور بیٹا نہایت اعلیٰ کاتب و مصوّر تھے۔ عبدالصمد تو ہمایوں کے ہمراہ تبریز سے آیا تھا جیسا کہ اوپر اشارہ ہے۔

یعنی خواجہ شریف اس کتاب کی تیاری کے وقت مہتمم ادارہ کتاب خانہ تھا اور خود ایک اعلیٰ مرتبہ اکبر کے دین الٰہی میں رکھتا تھا اور جہانگیر کے عہد میں وہ امیر الامرا تھا۔ ویسے شریف کے دستخط اور تصاویر بھی ملتے ہیں۔ مخطوطہ کے اس ترقیمہ کی اول گول مہر میں لکھا ہے۔ "محب علی بندہ اکبر شاہ"۔ اگرچہ اس م کے اور امرا بھی مغل درباروں سے متعلق تھے مگر اکبر کے عہد میں یہ محب علی دراصل عنایت اللہ کا والد تھا جس نے اکبر کے عہد کے متاخر حصہ کے متعلق بنام "تکملہ اکبر نامہ" لکھا تھا۔ دوسری مہر فتح اللہ بن ابوالفتح، یعنی یہ شخص عہد اکبری میں حکیم ابوالفتح کا لڑکا تھا تیسری پر "آقا ملا بدیع الزمان" کی ہے جو اعلیٰ طغریٰ میں ہے یہ شخص دراصل آغاز میں دوات دار تھا اور شاہ جہاں کی ملکہ ممتاز کا چچا تھا، چوتھی مہر عبدالحق ابن قاسم

شیرازی" جو امانت خاں کے خطاب سے مشہور تھا۔ پانچویں مہر" بندہ شاہ جہاں صادق خاں کی ہے اگرچہ اس عہد میں اس نام کے اور امرا بھی تھے مگر یہ صادق خاں وہ شخص ہے جس سے شاہ جہاں کے عہد کی تاریخ لکھی تھی اور اس کا عہدہ "وقائع اگرہ" تھا چھٹی میر ارشد خاں خانہ بادشاہ عالم بادشاہ غازی کی ہے۔ یہ بھی بعہد اورنگ زیب دکن میں دیوان تھا۔ باقی مہریں صاف نہیں ہیں یعنے یہ کتاب اکبر کے عہد سے لے کر شاہ عالم کے عہد تک اس طرح مہتمان کتابخانہ شاہی میں رہی ہے۔ اس کے علاوہ سفر و حضر میں کہاں کہاں رہی اس کی کیفیت الگ ہے وہ یہ ہے (۱) بتاریخ ۲۴ر ماہ اردی بہشت الٰہی سنہ ۴۲ (جلوس) در بلدہ لاہور" عرض دیدہ شدہ" یعنے بہ لاہور میں بادشاہ اکبر کے ملاحظہ میں گزاری گئی اور اکبر اس وقت لاہور میں موجود تھا۔ اس کے بعد یہ کتاب ایک مہتمم کتاب خانہ بہادر چیلہ کی تحویل میں بتاریخ ۱۵ر امرداد ۴۲ جلوس میں آئی مگر اس کے بعد ۴۲ سال جلوس میں یہ کتاب خواجہ عنایت اللہ کی تحویل میں رہی اور اکبر کے بعد یہ کتاب جہانگیر کے عہد ہی کے سال اول میں خواجہ عنایت اللہ سے نکل کر خواجہ عبیر کی تحویل میں آئی۔ اس کتاب دار سے نکل کر یہ کتاب سال جلوس پانچ عہد جہانگیر میں محمد یوسف کے بعد حبیب اللہ کی تحویل میں آئی تھی مگر حبیب اللہ کے بعد یہ کتاب محمد مومن کے پاس آئی یعنے محمد مومن بن عبداللہ مشکیں قلم مہتمم کتاب خانہ تھا مگر عہد شاہ جہان میں ۱۵ سال جلوس میں یہ کتاب ملا صالح کے بعد لقمان کے اہتمام میں آئی غرضیکہ آخیر تک اس پر برابر کتاب خانہ کے مہتموں کی تحریریں ثبت ہوتی رہی تھیں۔ یہ ایک تمام با قاعدہ انتظام کسی کتاب کے اندراج کا کسی کتابخانہ کے باقاعدہ موجود ہونے کا ثبوت بھی ہے۔

مگر اس مخطوطہ پر سب سے اہم اندراج اس کے ترقیمہ کے نیچے کتاب کی "برآورد" یعنی کتاب پر جو لاگت آئی وہ الگ درج ہے۔

اللہ اکبر

برآورد - زرمتامہ - ۴، ۰۲۴ روپیہ

(۱)	خط عنایت اللہ ۶۵ - ۹	تصویرات ۱۶۵ صفحہ
	۶۵ روپیہ ۳۲۵ روپیہ	کل روپیہ ۳،۶۰۲ روپیہ
(۲)	کاغذ ۱۴ دستہ ۲۴۰ روپیہ	۳۲ روپیہ
(۳)	لوح و جدول ۲۷ روپیہ	سونس نقرہ - فرنگ ۱۳ر تولہ ۱۵ ماشہ

(۴) پوست ۱۶۵ فرد ۱۴ روپیہ مگر کل روپیہ جو خرچ ہوا اوپر درج ہے

غرضکہ اس کے تمام مراحل پر جو اخراجات درج کئے گئے ہیں پوری طرح درج ہیں اور اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ کس قدر باقاعدگی سے کتب خانہ کے تمام انتظام کو دیکھا جاتا تھا، اور آج بھی یہ امور کسی کتاب سے متعلق میسر نہیں ہیں جو اس زمانہ میں تھے جو کتاب دار مقرر ہوتا اس کی الگ مہر ہوتی اور ہر سال تبدیل ہو کر اس کے اندر نئے سال کا اندراج ہوتا۔ ہم نے ان صفحات میں رشید دیلمی مہتمم کتاب خانہ بعہد شاہجہان بیان کیا ہے کہ اس مہتمم کتاب خانہ ۱۰۵۸ھ میں عبدالرحمٰن اور دیانت رائے کی جگہ مقرر کیا گیا تھا اور اتفاق اس کی مہر بحیثیت مہتمم کتاب خانہ اس سال کی ایک مخطوطہ دیوان سلطان حسین متخلص بہ "حسینی" میرزا بانقرا، استنبول کے عجائب گھر ٹوپ کیوسرائے میں ملتی ہے۔ جبکہ یہ کتاب ۲۲ جلوس شاہجہانی یعنی ۱۰۵۸ھ میں خواجہ نعمت، کی تحویل میں دی گئی تھی مگر مہر میں "بندہ شاہجہان عبدالرشید الدیلمی" لکھا ہے۔

مغل دربار میں کئی قسم کی دستاویزات پر مختلف احکام کے تحت مختلف مہریں لگانی پڑتی تھیں اور یہ کام بھی ایک طرح کتاب دار ہی کے ذمہ ہوتا تھا۔ جو مہر بخشی، میر سامان اور صدر کے اہل کاروں سے گزر کر کاغذ آتے ان کو ترتیب دیا جاتا اور اسی نوعیت سے یہ مہریں فرمانوں، پروانوں اور رقعات پر ثبت کی جاتی تھیں۔ ملکہ ممتاز کے حالات کے تحت لکھا ہے کہ اوزک مُہر اس کے قبضہ میں رہتی تھی۔ زرعی اراضی کے حکم ناموں پر لگائی جاتی تھی یہی مہر اس کے بعد جہاں آرا بیگم کے پاس پھر مہرالنسا خانم کے قبضہ میں رہی۔

جب بادشاہ کی تاج پوشی یا تخت نشینی ہوتی تو کتاب خانہ کی اعلیٰ کتابیں بادشاہ کے حضور میں پیش کی جاتی تھیں تو وہ خود ان پہ اپنی قلم سے تحریر کرتا اور اس وقت ایک خاص قسم کی مہر جو کلاہی شکل کی ہوتی اس کے لئے ہم یہاں ایک عکس از کتاب کے نسخہ نام حق سے پیش کرتے ہیں۔ اس پر جہانگیر کی تحریر بروز جلوس موجود ہے پھر شاہجہان کی تحریر بروز جلوس موجود ہے اور تخت نشینی کی مہریں شاہ جہاں اور ابوالمظفر محمد محی الدین عالمگیر بادشاہ بنیں اور یہ سب مہتمم کتاب خانہ خود بادشاہ کے روبرو کتابیں پیش کرتا اور خود یہ کام کراتا تھا میں نے ایسی تحریریں بے شمار قلمی مخطوطوں پہ بڑے بڑے عجائب گھروں اور کتاب خانوں میں دیکھی ہیں بلکہ اکثر مخطوطوں پہ کتابوں کی قیمتیں بھی روپیہ و مہر اشرفی میں اور ان کا درجہ اہمیت بھی درج ہوتا اس سے کتابوں کی اہمیت کے مدارج بھی معلوم ہوتے۔

غرضکہ بابر کے عہد میں محمد علی کتاب دار۔ ہمایوں کے زمانہ میں شیخ محمد منجو۔ ملا سرخ کتابدار کا ذکر ہمایوں نامہ میں ملتا ہے

اکبر کے عہد میں ہم نے اوپر رزمنامہ کے ضمن میں بیان کر دیا ہے مگر اکبر نامہ میں ملا بلال کا ذکر بھی ملتا ہے اور عنایت اللہ بھی کتابدار تھا۔ جہانگیر کے عہد میں مکتوب خاں کتاب خانہ کا مہتمم تھا جس کا ذکر جہانگیر نے خود توزک میں کیا ہے شاہجہان کے عہد میں ملا صالح بن عبداللہ مشکین قلم اور اس کے بعد رشید دیلمی بھی تھا اورنگ زیب کے زمانہ میں سید علی خاں جواہر رقم ابوالفتح کامل خاں بھی تھے۔

کتاب خانہ عبدالرحیم خان خانان

امرائے دربار مغلیہ میں خاص کر بیرم خان اور اس کا لڑکا عبدالرحیم خان خاناں اور ان کے علاوہ ابتدائی امراء میں منعم خاں خان خاناں بھی قابل ذکر ہیں جنہوں نے اس عہد میں گرانبہا علمی خدمات انجام دی ہیں۔ عبدالرحیم خاں لاہور میں ۱۴ صفر ۹۶۴ھ اول جلوس میں اکبر کے آخیر پیدا ہوا تھا جس پر اس کے باپ بیرم خاں نے بہت خوشی منائی تھی۔ اسے اعلیٰ تعلیم سے آراستہ کیا گیا تھا اور اس نے توزکِ بابری کا ترجمہ ترکی زبان سے فارسی میں اکبر کے عہد میں کیا تھا۔ اور اسے ابتداء سے ہی علمی کاموں سے شغف تھا۔ ملا شکیبی اس کے ہاں ابتدا سے ہی ملازم تھا جس نے ٹھٹھہ کی فتح پر مثنوی لکھ کر پیش کی تھی۔ عبدالباقی نہوندی نے اس کے حالات و علمی فیاضیوں وغیرہ کے متعلق "مآثر رحیمی" لکھی ہے جو چھپ چکی ہے۔

عبدالرحیم خان خاناں نے ایک اعلیٰ کتاب خانہ جمع کیا تھا جس کی بنا در اصل گجرات احمد آباد سے ہوئی تھی۔ اس میں نادر قلمی کتابیں تھیں۔ اس کتب خانہ میں اعلیٰ خطاط۔ نقاش اور جدول نویس ملازم تھے۔ اس عملہ میں ملا محمد امین جدول ساز ملا محمد مومن محمد حسین کاشی بقائی غنی ہمدانی تھے اور میاں مولانا فہیم، میاں ندیم اور بہبود میرزا خوش نویس تھے جو عام طور پر میر علی ہروی کی روش پر لکھتے تھے۔ ان کے ساتھ مشفق۔ مادھو۔ مولانا صوفی۔ ملا محمد علی کشمیری ۱۰۲۵ھ میں اس لائبریری میں ایک کتاب کے ترجمہ عربی سے فارسی کے لئے متعین ہو گئے۔ اتفاق سے مَیں نے اس کے کتب خانہ کی کئی کتابیں دیکھی ہیں مگر ان میں سے دو کتابیں قابل ذکر ہیں۔ ایک تو تفسیر کشاف، زمخشری کا نسخہ اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں دیکھا جو بذات خود ۸۶۶ھ میں احمد آباد میں ہی لکھا گیا تھا۔ اس پر عبدالرحیم کی اپنی مندرجہ ذیل ترکی تحریر ہے۔ اللہ اکبر! دین اللہ الکریم سبحانہ بلیب۔

کتبہ فی المسجد: عبدالرحیم ابن محمد بیرم علیہما۔ فی شیوررس ۹۹۱ھ

اس پر ایک مہر اورنگ زیب کی لائبریری کی بھی ہے۔ یعنی ۹۹۱ھ میں خود عبدالرحیم خان خاناں وہاں احمد آباد میں موجود تھا اس طرح میں نے ایک نسخہ جو واقعی بہت نایاب یا ناپید ہے وہ تاریخ محمود شاہی کا تھا میں نے اسے اتفاق سے مدینہ منورہ کی ترکوں کی قائم کردہ قدیم لائبریری میں ۱۹۶۰ء میں دیکھا تھا۔ اس پر عبدالرحیم کی دو تحریریں ہیں۔ بہر حال دوسری تحریر مندرجہ ذیل ملاحظہ ہو۔

اللہ اکبر۔ بعد از فتح ثانی کہ در کوششاں بسلسلہ واقع و اتفاق بلدہ احمد آباد جمیعت عن الفساد واقع حساب صفا حساب ہدیت انتساب شاہ ابو تراب بطریق تحفہ التفات نمودہ زاں تاریخ ثلث وعشرین شہر ربیع الاول ۹۹۱ھ؛ حررہ عبدالرحیم ابن محمد بیرم عفی عنہ۔

اس پر ایک گول مہر: عبدالرحیم بن محمد بیرم ۹۹۴ھ۔ اور اس کے اوپر ابتداء میں قیمت عـہ بھی لکھی ہے۔

یہ محض اتفاق ہے کہ تاریخ محمود شاہی جو آج تک ناپید سمجھی جاتی تھی وہ اتفاق سے مغلیہ فتح گجرات کے وقت عبدالرحیم خان خاناں کی لائبریری میں آگئی تھی اور خدا کی شان ہے کہ وہ مدینہ منورہ کی لائبریری میں پہنچ گئی اور وہ بھی وہاں ترکیہ کتب خانہ میں ہے جسے ترکوں نے دراصل قائم کیا تھا۔ میرا محض خیال ہے کہ یہ نسخہ "تاریخ محمود شاہی" وہاں دراصل عبداللہ محمد بن عمر المکی الاصفی النعمانی کے ذریعہ پہنچ گیا تھا جو حجاز میں بحیثیت سفیر سلاطین گجرات کی طرف تھا۔ اس نے وہاں دوران قیام تاریخ گجرات ظفر للعالہ بمظفر والہ تصنیف کی تھی اور ویسے کتاب محمود شاہی کا یہ نسخہ سنہ ۹۷۰ھ میں لکھا گیا تھا جیسا کہ اس کے ترقیمہ سے واضح ہے اگرچہ اس پر عبدالرحیم خان خاناں نے خود لکھا ہے کہ یہ کتاب اسے شاہ ابو تراب نے اس وقت تحفہ دیا تھا۔

۱۹۲۷ء کے معارف میں ایک مفید مضمون مرحوم حافظ نذیر احمد نے بعنوان "خان خاناں کے کتب خانہ کی قلمی کتابوں پر لکھا تھا جو اس ضمن میں مفید معلومات بہم پہنچاتا ہے جن میں قرآن کریم کا نسخہ۔ رسالہ خواجہ عبداللہ انصاری۔ مجالس العشاق بخشش رسالہ سعدی۔ یوسف زلیخا۔ رسالہ تعبیر الرویا و قاموس فیروزآبادی وغیرہ کتب کو بیان کیا ہے۔

ان متذکرہ بالا کتب خانہ عبدالرحیم خان خاناں میں نسخہ کلیات سعدی پر ایک تحریر منعم خاں کے پاس بخارا سے بہادر خاں ازبک نے سنہ ۹۷۰ھ میں جونپور ارسال کیا تھا۔ جب وہ وہاں گورنر تھا اور منعم خاں نے اس کے لئے پانصد روپیہ

نقد ادا کیا تھا اور مصور بھی تھا۔ اسی پر عبدالرحیم خان خاناں کی اپنی تحریر ہے جس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اسے یہ نسخہ وہاں ۹۹۲ھ میں اس کے قبضہ میں آیا تھا جب وہ احمد آباد میں تھا اور اس کے ذاتی کتب خانہ کی زینت بنا تھا ہم ذیل میں منعم خاں سے متعلق الگ بیان کریں گے۔

غرضیکہ عبدالرحیم خاں خان خاناں کے ہاں اپنا الگ ادارہ تھا۔ جہاں اعلےٰ کاتب مصوّر اور جدول کش کام کرتے تھے۔ ویسے ہم مختصر طور پر اوپر اس کے کتب خانہ سے متعلق بیان کر چکے ہیں کہ اس کا کتب خانہ معتمات روزگار ہی سے تھا۔ چنانچہ ماثر رحیمی کے بیان کے مطابق اس کتب خانہ میں پانچ اعلیٰ مصوّر میاں ندیم۔ بہبود۔ مشفق اور ابراہیم کام کرتے تھے اور ان کے علاوہ مذہب ملا امین اور ملا محمد حسین تھے جن کا ذکر اوپر بھی آچکا ہے مگر خطاطوں میں خاص کر جو ہمارا موضوع ہے۔ ملا عبدالرحیم عنبریں قلم۔ ملا محمد مومن۔ مولانا درویش۔ ملا محمد باقر تھے مگر بہبود کے متعلق عرض ہے کہ وہ خان خاناں کا خاصہ فیل تھا اور اس سے قبل وہ میرزا باقر کا غلام تھا جو مشہور میر علی کاتب کا لڑکا تھا اور خاص کر ملا محمد باقر اعلےٰ نستعلیق اپنے باپ کی طرز میں لکھتا تھا اور کاتبوں میں سے ملا عبدالرحیم عنبریں قلم کے متعلق عرض ہے کہ وہ ہرات کا باشندہ تھا وہ خراسان سے ہندوستان آگیا تھا اور یہاں عبدالرحیم خان خاناں کی ملازمت میں شامل ہو گیا مگر بعد میں اسے اکبر کے سامنے پیش کیا گیا تو دربار سے منسلک ہو گیا اور لکھا ہے کہ نستعلیق لکھنے میں اس سے بہتر سوائے محمد حسین کشمیری کے کوئی نہیں لکھتا تھا اور اسے یہ خطاب عنبریں قلم بھی جہانگیر سے ۱۰۲۲ھ میں ملا تھا۔ اور جہانگیر نے اس کو بے شمار مراعات دی تھیں۔ ان میں سے ایک ملا محمد مومن تھا جو دراصل ملا محمد حسین ہروی کا بھائی تھا اور نستعلیق عام طور پر جلی خوب لکھتا تھا۔ اور کتب خانہ خان خاناں کے بڑے بڑے مجلات اسی نے لکھے تھے اسے معاوضہ بھی اس کے مرتبہ کے مطابق ملتا تھا مولانا درویش دراصل مقام تربت کا باشندہ تھا۔ اس کا باپ ملا عبدالصمد تربتی مشہور خطاط عام طور پر طرز نستعلیق میں لکھتا تھا ویسے درویش نے یہاں ہند میں آنے سے پیشتر کافی عرصہ تک روضہ امام رضا مشہد کے دارالانشا میں بھی کتابت کی تھی۔ اسے اکثر اوقات انعام و اکرام سے بھی نوازا گیا تھا اس کا لڑکا خواجہ محمد قاسم اس کے بعد دربار خان خاناں میں برابر لکھتا رہا۔ اس کی ملاقات عبدالباقی نہوندی سے کاشان میں ہوئی تھی اور وہیں کاشان میں اس کا انتقال ہوا تھا۔ وہاں ایک اور کاتب شجاعت شیرازی بھی تھا اور وہ عام طور پر ثلث نسخ طرزوں میں لکھتا تھا اور وہ خان خاناں کی ملازمت میں اس وقت آیا تھا جب وہ سندھ کی مہم پر ۹۹۹ھ میں مصروف تھا۔ وہ وہاں عبدالرحیم خان خاناں کے ہمراہ آقا محمد شیرازی کی صحبت

یس تھا جو بعد میں خان خاناں کا میر بخشی ہو گیا تھا اور اس کے ہمراہ حافظ تاج شیرازی بھی تھا اسے دراصل مولانا شکیبی اصفہانی کی سفارش پر ملازمت ملی تھی مگر شجاعت جلدی ہی کتب خانہ خان خاناں کا مہتمم ہو گیا تھا جہاں عام طور پر علماء و صلحاء اور شعراء ملتے تھے اسے خطاب "شجاع بہادر" سے نوازا گیا تھا مگر اس کا انتقال اسی ملازمت میں ہو گیا تھا۔ مولانا محمد باقر کاتب مولانا مقصود کا چھوٹا بھائی تھا جو کاشان سے آیا تھا وہ نہ محض اپنے معاصرین سے سبقت لے گیا تھا بلکہ وہ قدیم اساتذہ کو پیچھے چھوڑ گیا تھا۔ وہ امیر معز الدین کاشانی کا خطاطی میں تلمیذ تھا اور قدیم اساتذہ کی روش پر عام طور پر لکھتا تھا اس کی قلم کے اکثر نمونے مرقع خان خاناں میں محفوظ تھے۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ قزوین سے کاشان آیا تو شاہ عباس نے اسے ایک سال کے لئے قید کر دیا گیا تھا۔ اس کے فوراً بعد وہ دکن میں آ کر ابراہیم عادل شاہ کے دربار بیجاپور میں منسلک ہو گیا تھا جہاں سے وہ بوجہ دوستی عبدالباقی ہنوندی سنہ ۱۰۰۶ھ میں عبدالرحیم خان خاناں کی ملازمت میں آ گیا تھا۔ عبدالرحیم خان خاناں لاہور میں ۷۲ سال عمر میں فوت ہوا مگر اسے دہلی میں اس کی بیوی کے مقبرہ میں مقبرہ ہمایوں کے قریب دفن کیا گیا

منعم خان

عبدالرحیم خان خاناں نے ایک مرتبہ بادشاہ جہانگیر کو نسخہ یوسف زلیخا مولانا جامی کا مطلا و مذہب و مصور اعلیٰ سنہری جلد میں تیار شدہ پیش کیا تھا جس کی قیمت ایک ہزار سرخ مہریں تھیں اور اسے میر علی ہروی مشہور خطاط نے نستعلیق طرز میں لکھا تھا یعنی یہ نسخہ بعہد سلطان حسین مرزا بائقرا تیار ہوا تھا اور یہاں یہ بطور سوغات منعم خاں کے ہاں آیا تھا غرضیکہ عبدالرحیم خان خاناں کے ہاں باقاعدہ ایک ادارہ تھا جسے ہم نے مختصر طور پر اس ضمن میں اوپر بیان کیا ہے۔

امرائے مغلیہ میں قریب قریب سب کو ذوق نظر اور علمی مشاغل سے ضرور تعلق تھا مگر ان میں سے بعض امرا اپنی اس قابلیت کی وجہ سے ضرور منفرد تھے جس طرح ہم نے اوپر ان میں سے عبدالرحیم خان خاناں کو بیان کیا ہے۔ اس طرح منعم بیگ بن بیرم بیگ بھی تھا جو امرائے ہمایوں میں شمار ہوتا ہے وہ ترک نژاد تھا۔ ماثر الامراء میں اس کا تذکرہ دیا ہے مگر اس کی علمی خدمات اس میں نہیں ہے البتہ میں یہاں بعض مخطوطوں کے اپنے مشاہدہ اور مطالعہ کی بنا پر لکھتا ہوں کہ میں نے دوران مطالعہ اور علمی تحقیق بے شمار نہایت اعلیٰ قلمی مخطوطے اعلیٰ مذہب اور مصور دیکھے ہیں جو اس شخص کی معرفت وسط ایشیا و ایران سے یہاں مغل دربار تک آئے اور وہ کتب خانہ شاہان مغلیہ کی زینت بنے یہاں وہ تورانی روایات کتابت و زیب و زینت کتاب و کتاب خانہ کا سبب بنے۔ یہ ایک بہت دل چسپ داستان اور فہرست کتب ہے۔

مگر یہاں نہایت مختصر طور پر تاریخ خوش خطی کے ضمن میں بیان کیا جاتا ہے کہ عبدالرحیم خان خاناں کے کتب خانہ کے تحت نسخہ کلیات سعدی سے متعلق ملتا ہے کہ اس نسخہ کو دراصل بہادر خاں نے منعم خاں کو جونپور میں ۹۷۶ھ میں ارسال کیا تھا مگر منعم خاں نے مبلغ پانچ سو روپیہ اس نسخہ کو یہاں لانے والے کو بطور انعام دیئے تھے جس سے علمی نوادر کی قدردانی عیاں ہے۔ اس پر منعم خاں کی اپنی تحریر ہے اس کی وفات کے بعد یہ نسخہ گجرات اور احمد آباد میں پہنچا جب ۹۹۲ھ میں عبدالرحیم خان خاناں نے گجرات کو فتح کر لیا تو وہاں یہ نسخہ بعد فتح "مظفر گجراتی" علی مردان خاں بہادر نے اس کو پیش کیا عبدالرحیم خان خاناں نے اس وقت اس پر ایک یادداشت لکھی جس کی تحریر ملاحظہ ہو۔

اللہ اکبر: در گجرات بعد از فتح مظفر گجراتی علی مردان خاں بہادر گزرانیدند
نہ صد و نود و دو ہجری، حررہ عبدالرحیم ابن محمد بیرم از اول تا آخر مطالعہ بلکہ
انتخاب ہم نمودم

منعم خاں کو زندگی میں ہمایوں کے خاندان سے بھی تعلق رہا تھا اس وجہ سے اس کے قبضہ میں دیوان مرزا کامران بھی تھا جو آج بانکی پور کے کتب خانہ خدا بخش میں موجود ہے اسے خطاط محمود بن اسحاق الشہابی نے لکھا تھا اور یہ نورجہاں کے قبضہ میں بھی رہا تھا۔ اس پر جہانگیر کی بھی تحریر ہے۔

میں نے ہفت پیکر کا ایک نسخہ مصور مصنفہ امیر خسرو کا بالٹی مور امریکہ میں والٹر آرٹ گیلری میں دیکھا تھا جسے مولانا اظہر نے ۸۸۶ھ میں لکھا تھا مگر اس کے پورے صفحہ پر نہایت اعلیٰ منقش و مذہب ڈیزائن کے اندر مندرجہ ذیل تحریر تھی۔

ارزانی باد منعم خاں مدظلہ۔ اقتدار عالی مدار خاں خاناں بحضرت نواب گردوں
این کتاب لطیف ——

میں نے برٹش میوزیم لندن میں ایک مخطوطہ خمسہ نظامی دیکھا تھا جس کے ابتدا میں مندرجہ ذیل جہانگیر کی تحریر تھی۔

اللہ اکبر: پنجم آذر سنہ داخل کرایں نیاز مند درگاہ آگرہ۔ حررہ نورالدین بن جہانگیر
اکبر بادشاہ ۱۰۱۴ھ این خمسہ ہم از کتاب با خاصہ منت دو مجلس مجلس تصویر کار
استاد بہزاد و غیرہ شازدہ کار بہزاد و پنج کار میرک و یکی کار عبدالرزاق قیمت

پنج ہزار روپیہ۔

اس کے بعد اس پر شاہجہان کی تحریر ہے جب وہ تخت نشین ہوا اور اس کے علاوہ آخر تک بیشمار مہریں اور تحریریں، اہلکاران کتب خانہ مغلیہ کی ہیں مگر جہاں نسخہ کا خاتمہ ہے وہاں پر یہ تحریر ہے

خمسہ نظامی مع بیست و دو مجلس تصویر بکار استادان قدیم و استاد بہزاد۔ از

بابت منعم خاں یک ہزار روپیہ۔

اس پر ایک "دیدہ شد" سے واضح ہے کہ یہ نسخہ لاہور میں بھی بعہد اکبر ۴۰ سنہ سال جلوس میں تھا۔

اِس طرح ایک نسخہ میں نے پشاور کے عجائب گھر میں دیوان شاہی کا دیکھا تھا جسے سلطان محمد خنداں تلمیذ سلطان علی مشہدی نے لکھا ہے اور اس پر ایک تحریر ہے کہ یہ نسخہ دراصل "اموال منعم خاں" سے تعلق رکھتا تھا اور اس کی قیمت یک صد مہر تھی۔

غرضکہ میرا مطلب یہاں ان غیر ملکی علمی نوادرات کے ذکر سے یہ ہے کہ بعہد بادشاہانِ مغلیہ بے شمار ایسے نسخے ان امراء و دیگر ذرائع سے یہاں آئے اور وہ کتب خانہ شاہانِ مغلیہ کی زینت بنے اور ان کتب کے علاوہ بعض دیگر بیشمار ایسے قلمی نوادرات ہیں جن کا ذکر یہاں بے محل ہے اور ان مخطوطوں میں بے شمار وہ ہیں جو منعم خان خان خاناں کی معرفت آئے تھے اس شخص نے ہمایوں کے عہد میں خدمات انجام دی تھیں، بعد میں اکبر کا اتالیق مقرر ہوا۔ جب ۹۶۷ھ میں اکبر بیرم خاں کے ہاتھوں پریشان تھا تو یہ لدھیانہ میں اکبر کی ملازمت میں گیا تھا۔ کابل میں رہا۔ اشرف خاں کاتب میر منشی سے اس کے تعلقات تھے اس نے بہار و اوڑیسہ میں خدمات انجام دی تھیں اس طرح پٹنہ اس کی جاگیر میں تھا اور بنگال کے حاکم سلیمان کرارانی سے معاملات اچھے رکھے یہ جونپور کا والی تھا جہاں اس نے دریا گومتی پر ایک پل بنوایا تھا مگر اس علاقہ میں داود برادر سلیمان کرارانی سے کافی مڈبھیڑ ہوئی۔ آخر اس کا انتقال مقام ٹانڈا میں ۹۸۳ھ میں ہوا۔

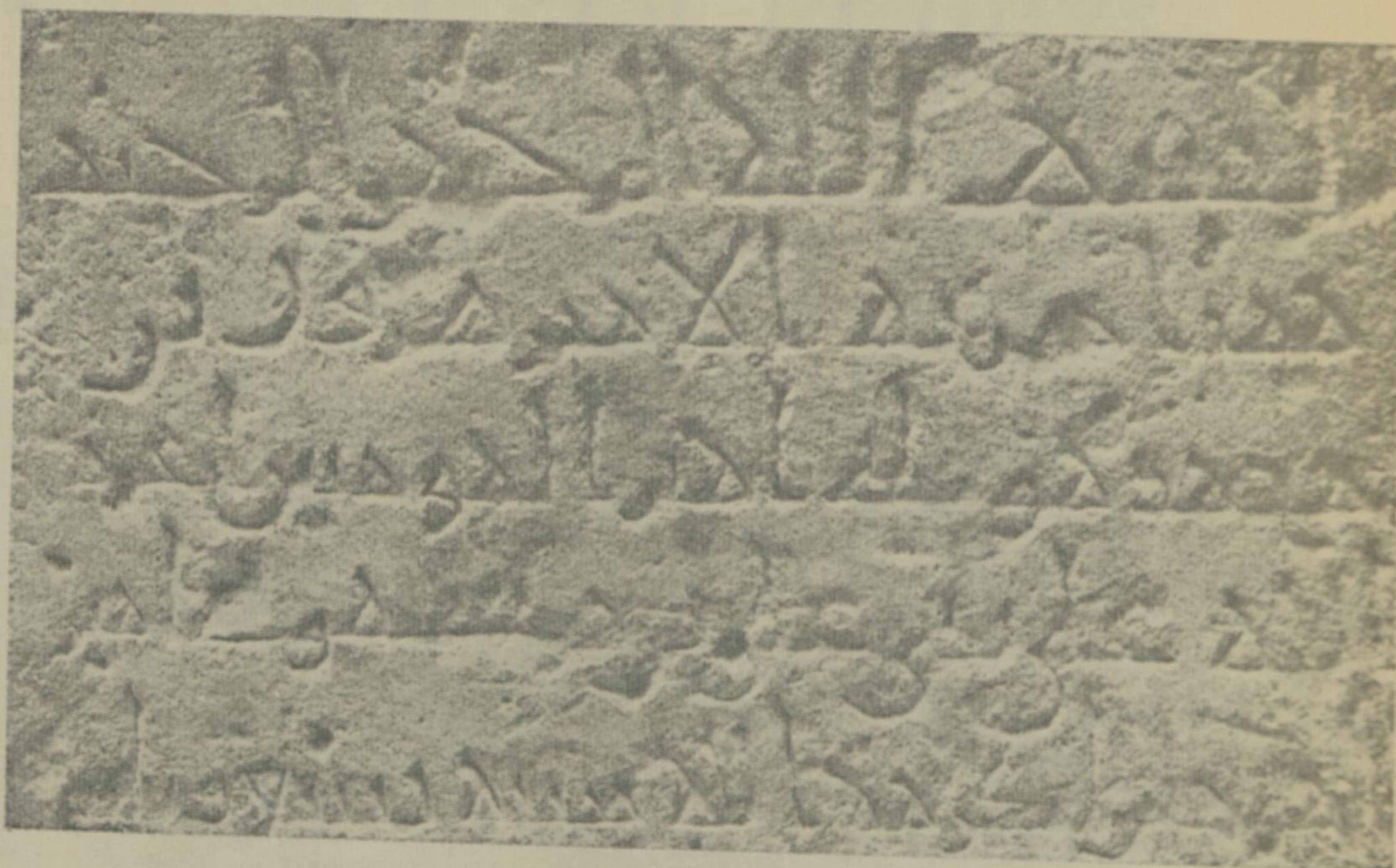
ان متذکرہ بالا کے علاوہ فیضی۔ نور جہاں بیگم۔ شیخ فرید بخاری اور دکن میں کتب خانے اور گجرات میں محمد طاہر پٹنی اور شاہ وجیہہ الدین کا کتب خانہ اور دہلی میں شاہ ولی اللہ خاندان کا کتب خانہ جو ان کے مدرسہ سے وابستہ تھا۔ علاقہ بمبئی میں بوہروں کے کتب خانے۔ سورت میں سید بغدادی کا کتب خانہ اور بمبئی کے قریب نہائم میں کتب خانہ ان کے علاوہ سلطان ٹیپو کا کتب خانہ وغیرہ سب یادگاریں ہیں۔

اس مختصر کیفیت کے بعد ایک تصوّر ضرور ہوتا ہے کہ یہ سب فن کتابت کا ظہور تھا جس کی بدولت یہ تمام کتب خانے تمام ہند میں پھیلے ہوئے تھے اور آج ان کتب خانوں کی لاکھوں کتابیں دنیا کے کتب خانوں اور عجائب خانوں میں محفوظ ہیں اور آج بھی ان تمام مخطوطوں کے ترقیموں کے مطالعہ سے ایک اعلیٰ تذکرہ خطاطان ہند جغرافیائی اعتبار سے بھی تیار ہو سکتا ہے اور اس کے علاوہ ان کے مطالعہ سے بعض دیگر ضروری کوائف بھی دستیاب ہو جاتے ہیں جو اور جگہ میسّر نہیں ہوتے ۔

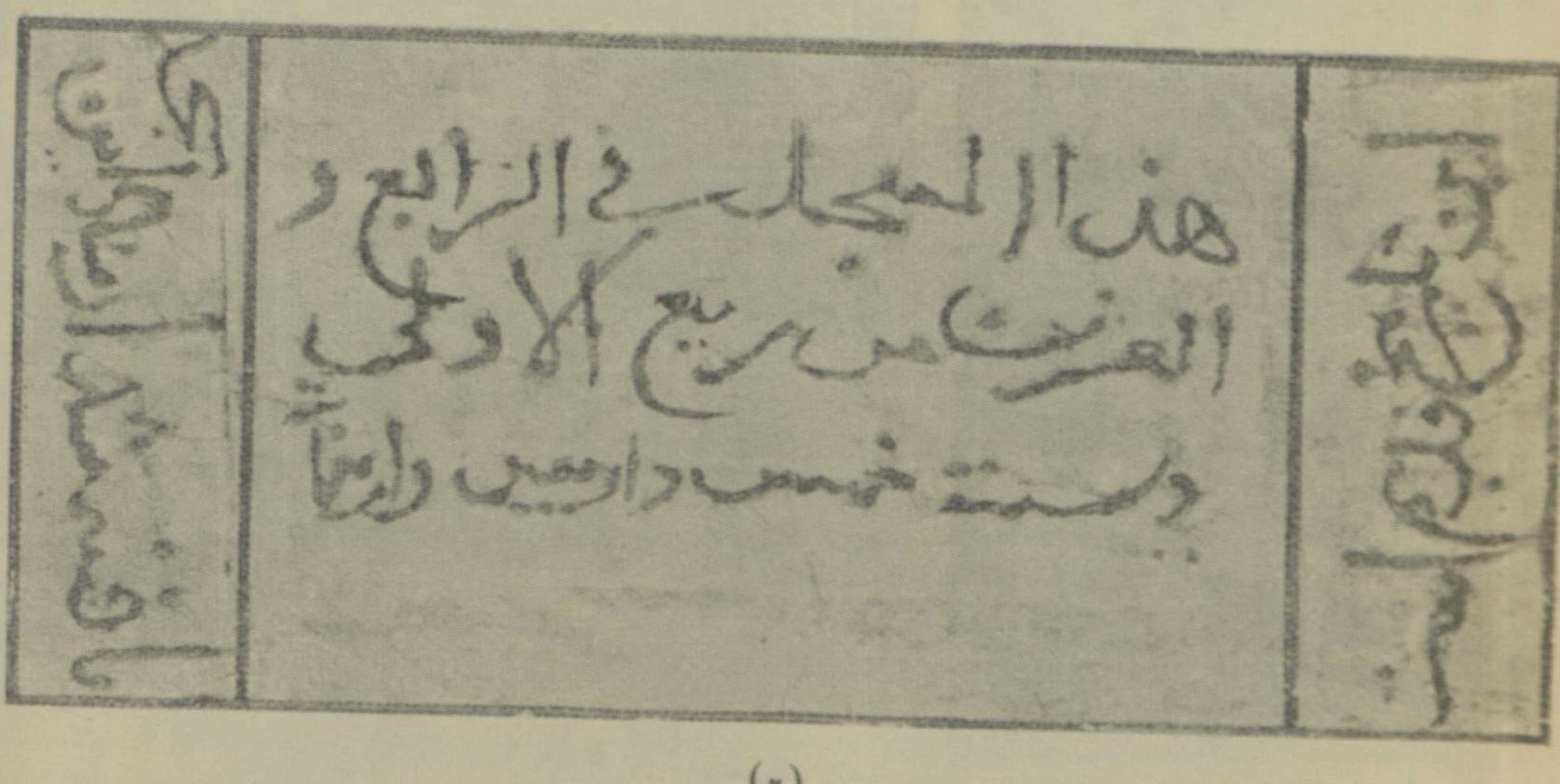
ایران و توران کے علمی نوادر مغلیہ دربار میں

اگر ہم نہایت احتیاط سے آج مشرق و مغرب و امریکہ کے کتب خانوں اور عجائب گھروں سے خاص کر یہ اطلاع حاصل کر کے ایک مکمل فہرست خاص کر قلمی نوادر کی تیار کریں جو ایران و توران سے بطور تحفہ یا بذریعہ خرید مغل شاہاں کے کتب خانوں کی زینت بنے تو ایک بہت بیش بہا اطلاع میسر آجائے گی جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ان شاہان کی علم پروری اور ہنر شناسی سے ان علمی نوادرات کو ضائع ہونے سے بھی بچایا نہیں بلکہ ان کی قدر دانی یہاں تک کہ اپنی لائبریریوں کو سجایا اور اپنے ہاں بعض ماہر خطاطوں اور مصوروں کو ان کی نقل پر آمادہ کیا اس کا نتیجہ یہ ہے کہ فن اور روایات فن نے صحیح معنوں میں ایک مقام سے دوسرے مقام تک بلکہ ایک ملک سے دوسرے ملک تک رسائی کی۔ یہاں ہم چند مثالیں ان میں سے پیش کرتے ہیں اور اس سے روایات فن ایران و توران کا براہِ راست اثر نظر آئے گا۔ اس ضمن میں سب سے اول :۔

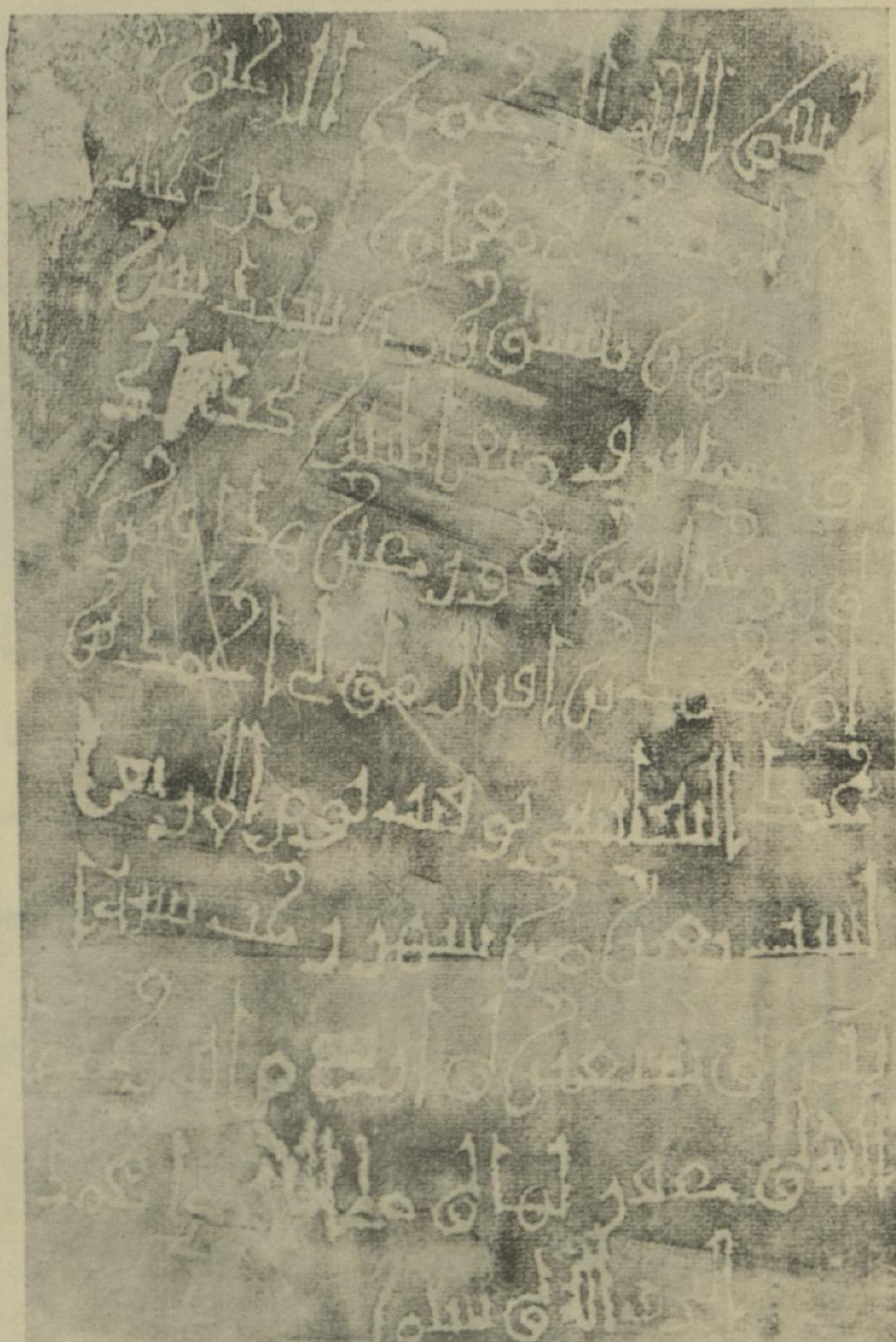
ظفر نامہ تیموری کا مصور نسخہ اتفاق سے والٹرز آرٹ گیلری بالٹی مور امریکہ میں محفوظ ہے جسے راقم نے خوب عمدگی سے دیکھا اور مطالعہ کیا۔ مَیں نے اس پر ایک مضمون امروز روزنامہ لاہور میں ۲۰ جنوری ۱۹۵۵ء کو لکھا تھا اس کی تصاویر کو ہرات کے مشہور کاتب شیر علی نے ۸۷۳ھ میں نہایت اعلیٰ نستعلیق طرز میں لکھا تھا اس کی تصاویر کو کمال الدین بہزاد نے بنایا تھا یہ نسخہ اول شاہانِ ایران کے دربار میں رہا۔ وہاں سے میر جمال الدین انجو کے توسط سے دکن پہنچا اور وہاں سے میر جمال الدین انجو خود لے کر اکبر کے دربار میں بطور تحفہ پیش کرنے حاضر ہوا اور اس نے اسے آگرہ میں پیش کیا اس پر بادشاہ اکبر نے خود تحریری نشان کیا ہے اس کے بعد جہانگیر کی اس پر تحریر ہے جس میں اس نسخہ کی تفصیل ملی ہے چنانچہ اس مطلا و مذہب نسخہ پر جہانگیر کی تحریر ہے ۔ اس نسخہ کی تصاویر کو بہزاد مصور نے اوائل عمر میں بنایا ہے۔ مناقب ہنروراں کے



(١)



(٢)



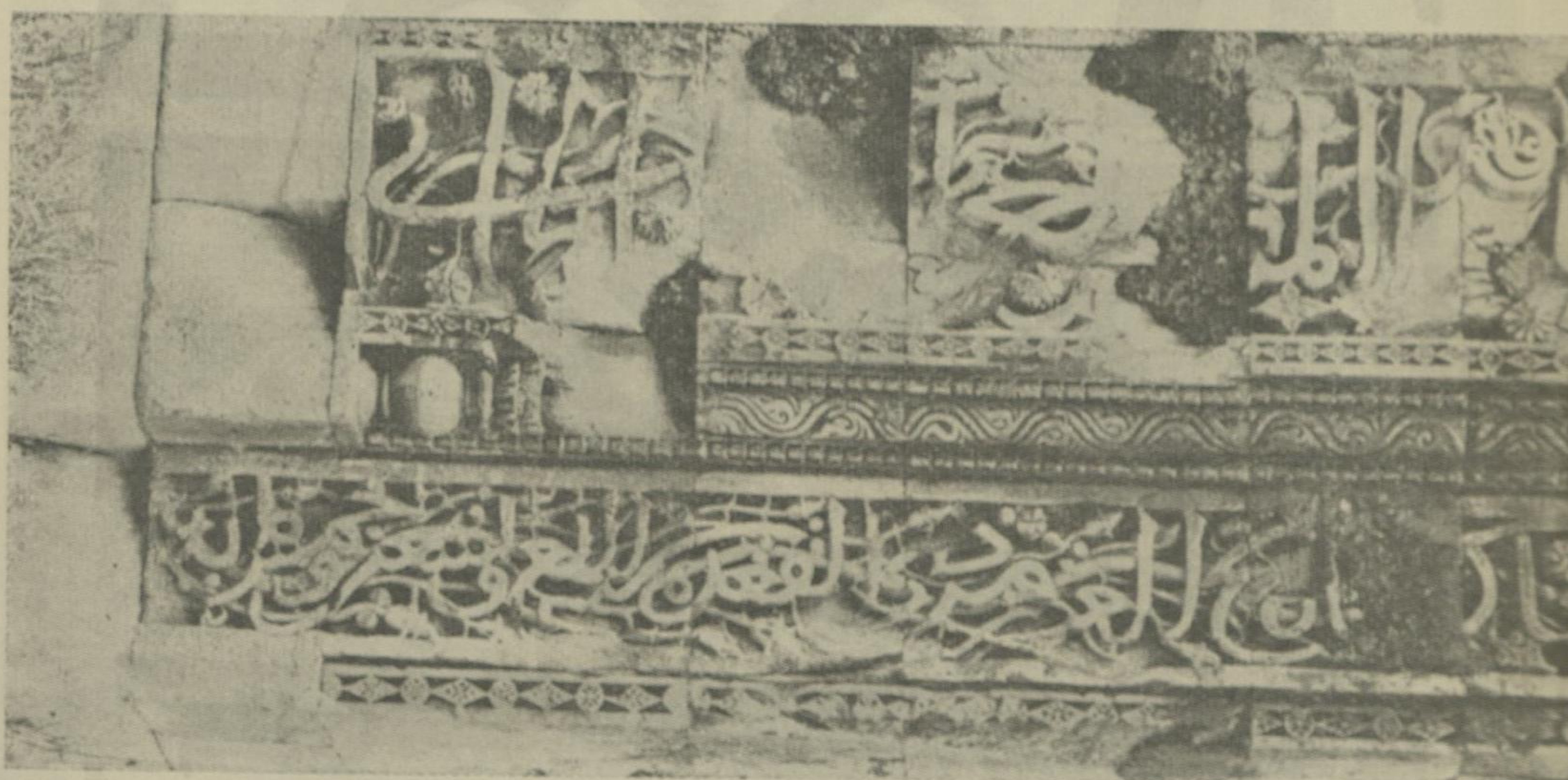
(۳)



(۴)



(٥)



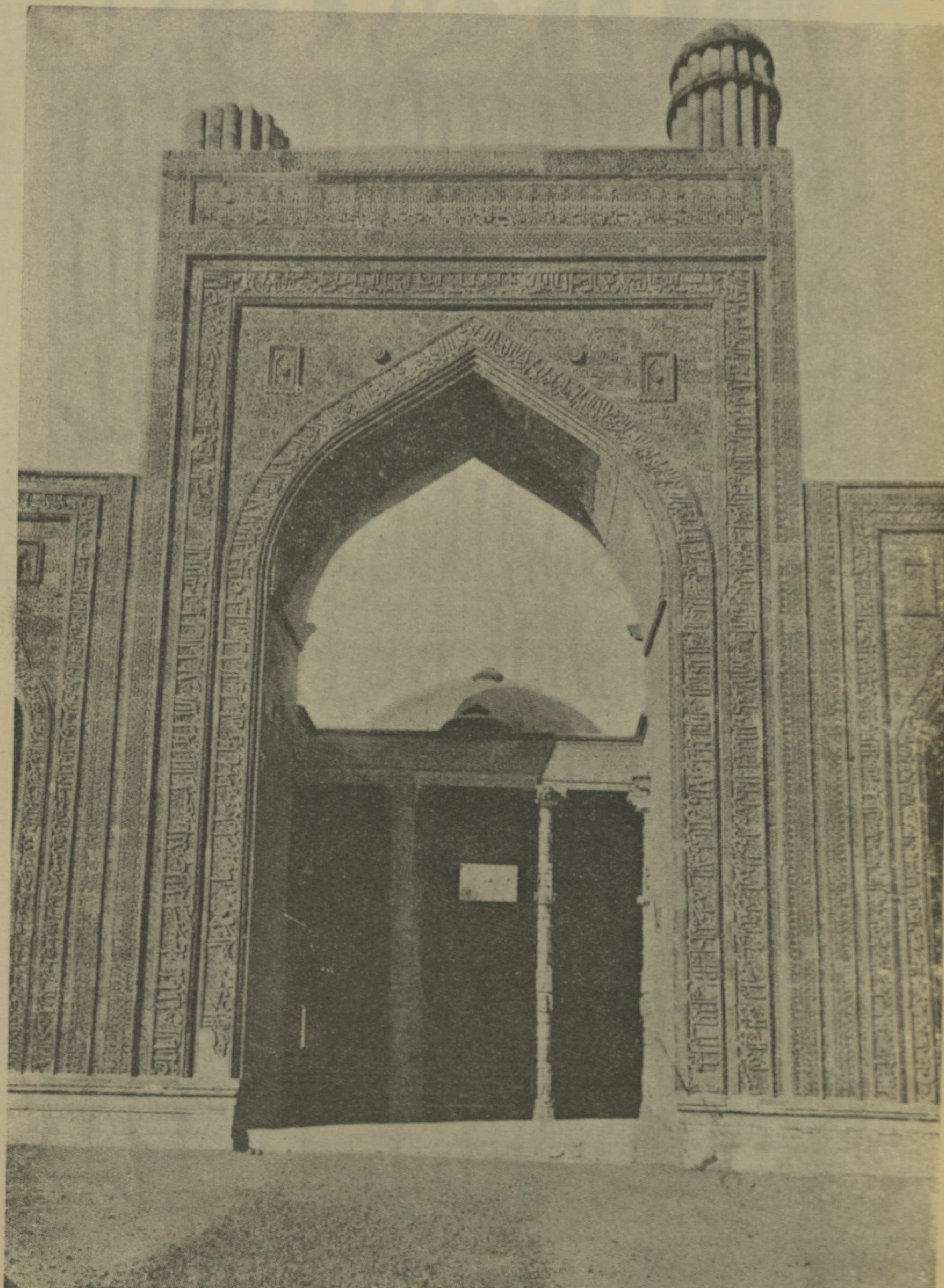
(٦)



(٧)

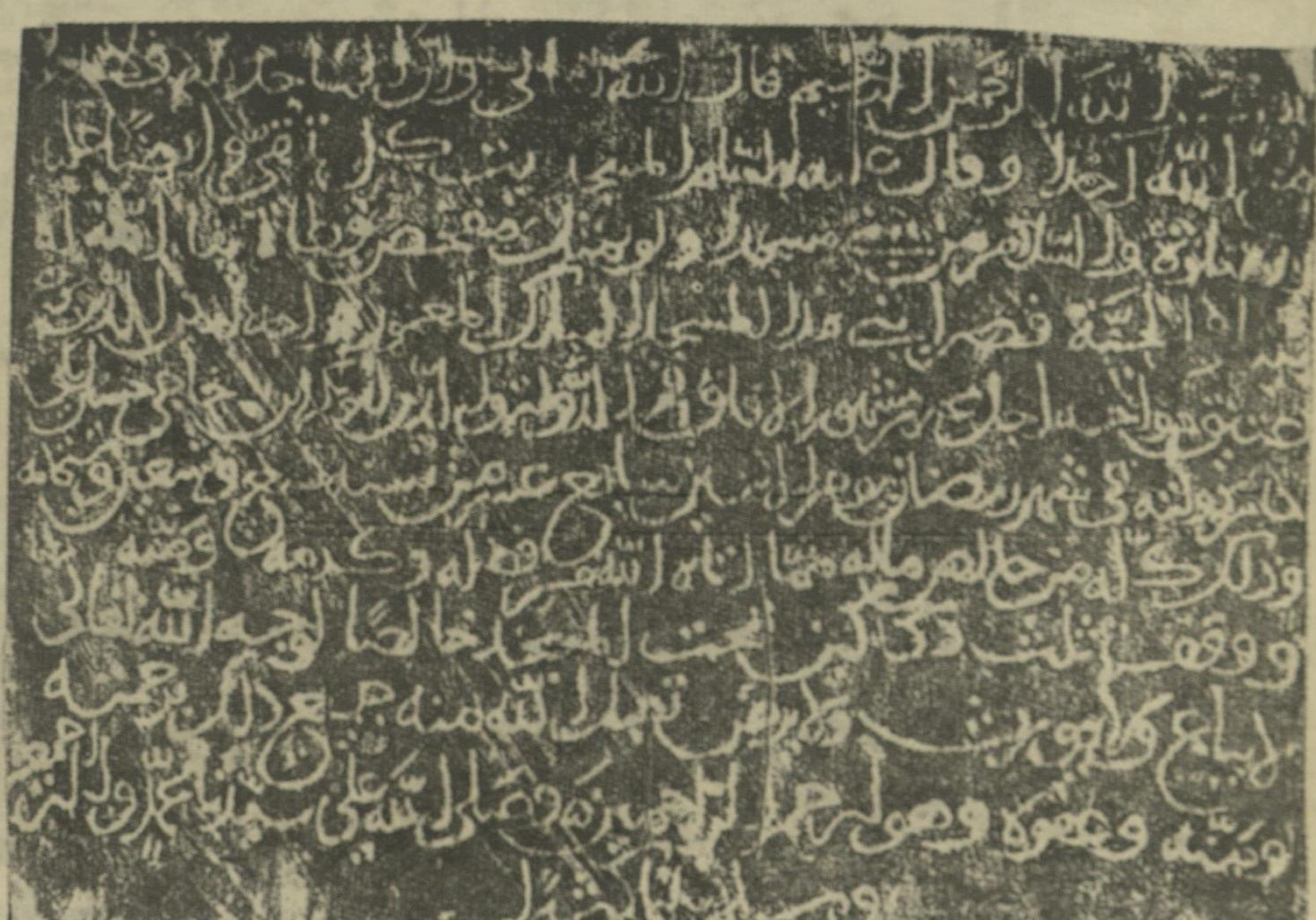


(٨)









(١١ — ١٢)



(۱۳)



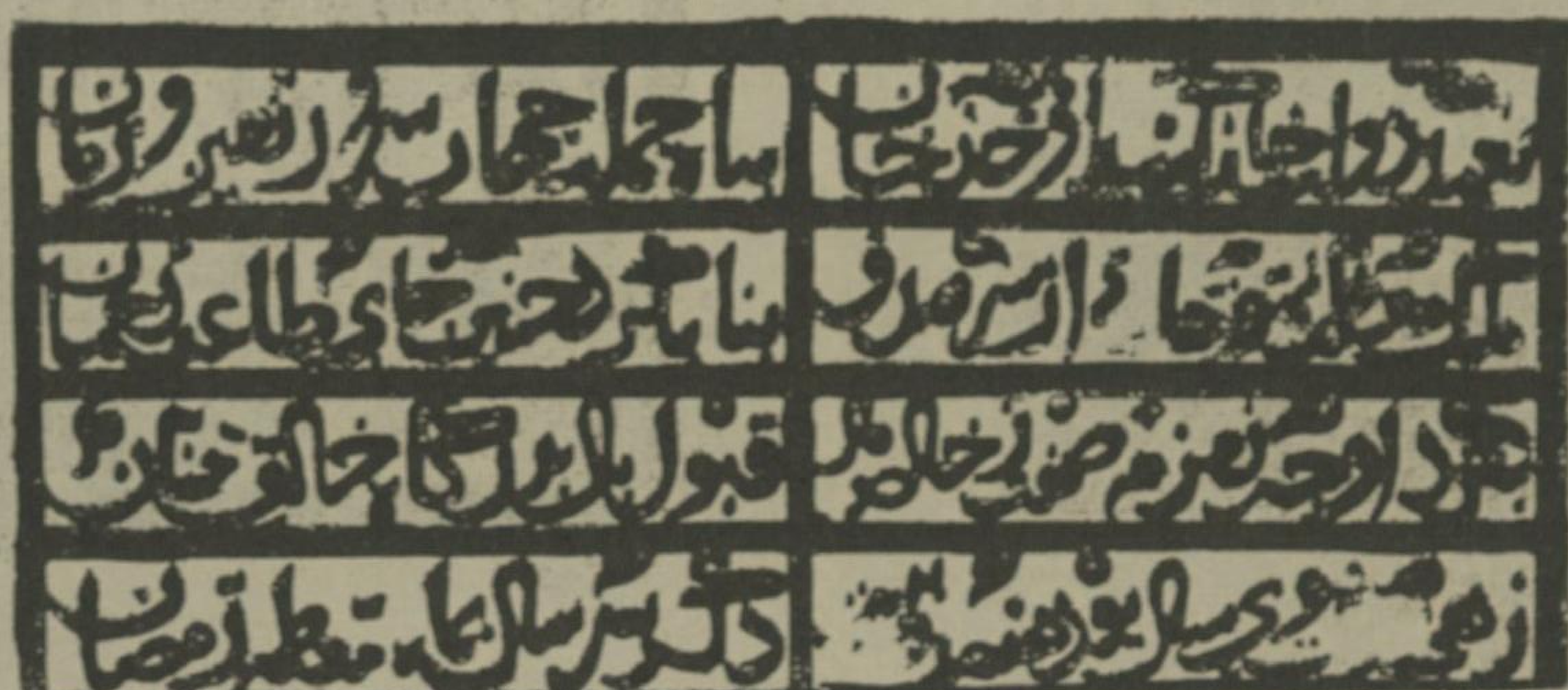
(۱۴)


(١٥)


(١٦)

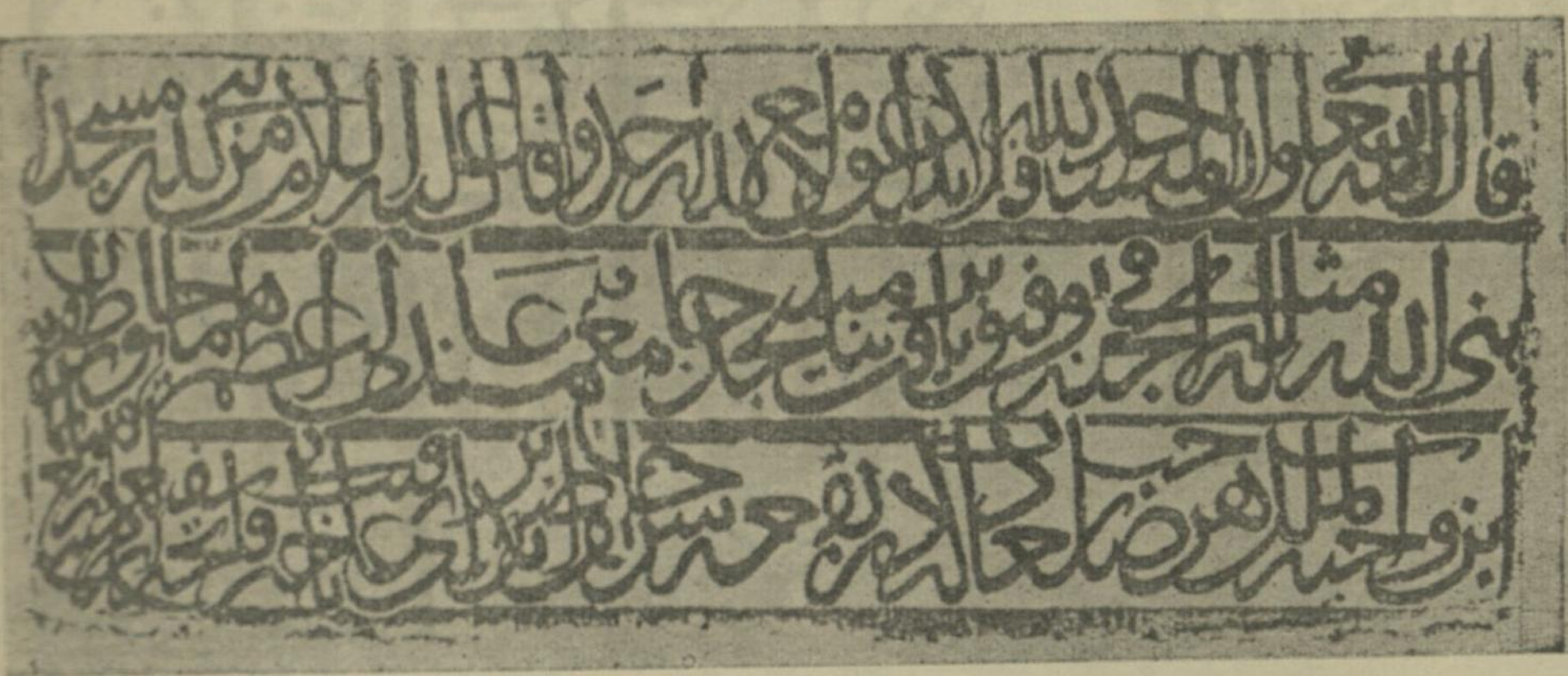

(١٧)


(١٨)

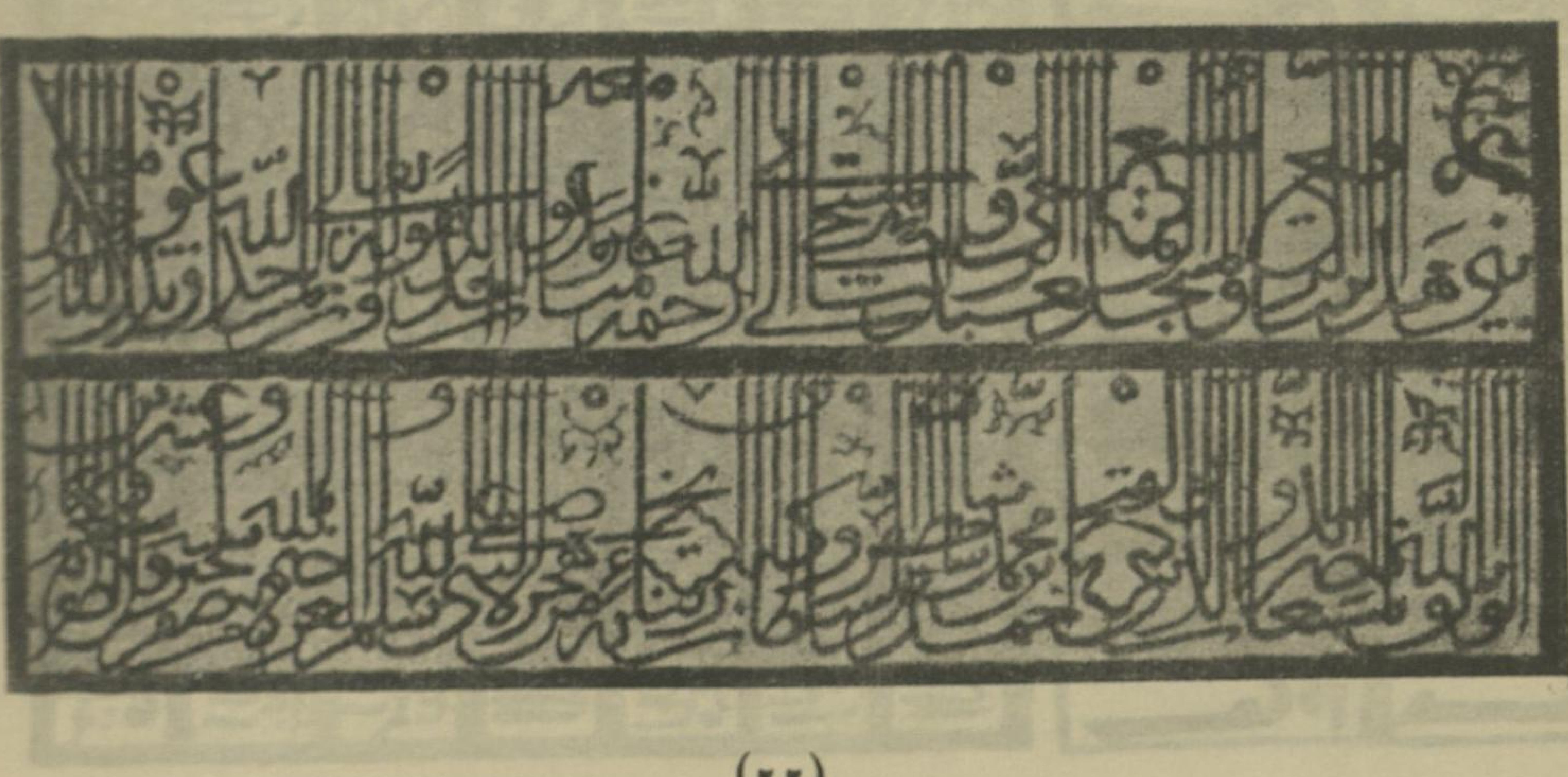

(١٩)



(٢٠)



(٢١)



(٢٢)

نبي في حرب وعن ابن عباس رضي الله عنهما ان لم ينصروا في الدنيا نصروا في العقبى والحاصل ان قاعدة امرهم
واساسه والغالب منه الظفر والنصرة وان وقع في تضاعيف ذلك شوب من الابتلاء والمحنة والعبرة للغالب
فتول عنهم فاعرض عنهم **حتى حين** الى مدة يسيرة وهي المدة التي امهلوا فيها او الى
يوم بدر او الى فتح مكة **وابصرهم** لما ينزل بهم حينئذ **فسوف يبصرون** ذلك وهو للوعيد
لا للتبعيد او انظر اليهم اذا عذبوا فسوف يبصرون ما انكروا وعلمهم فسوف يعلمون **افبعذابنا يستعجلون**
نهت حينئذ **فاذا نزل** العذاب **بساحتهم** بفنائهم **فساء صباح المنذرين** صباحهم واللام
في المنذرين مبهم في جنس من انذروا لان ساء وبئس يقتضيان ذلك وقيل هو نزول رسول الله
عليه وسلم يوم الفتح بمكة مثل العذاب بهم بعدما انذروه فانكروه بجيش لنزل بحومتهم فجاه بعض نصاحهم فلم
يلتفتوا الى انذاره حتى اناخ بفنائهم بغتة فشن عليهم الغارة وكانت عادة مغاويرهم ان يغيروا صباحا
فسميت الغارة صباحا وان وقعت في وقت آخر **وتول عنهم حتى حين وابصر**
فسوف يبصرون وانما ثني ليكون تسلية على تسلية وتاكيدا لوقوع الميعاد الى تاكيد وفيه فائدة زائدة
وهي اطلاق الفعلين معا عن التقييد بالمفعول وانه يبصرون ما لا يحيط به الذكر من صنوف المسرة وانواع
المساءة وقيل اريد باحدهما عذاب الدنيا وبالآخر عذاب الآخرة **سبحان ربك رب العزة**
اضيف الرب الى العزة لاختصاصه بها كانه قيل ذو العزة كما تقول صاحب صدق لاختصاصه
بالصدق ويجوز ان يراد انه ما من عزة لاحد الا وهو ربها ومالكها لقوله تعز من تشاء **عما يصفون**
من الولد والصاحبة والشريك **وسلام على المرسلين** عمم الرسل بالسلام بعدما خص البعض
في السورة لان في تخصيص كل بالذكر تطويلا **والحمد لله رب العالمين** على هلاك
الاعداء ونصرة الانبياء اشتملت السورة على ما ذكر ما قاله المشركون في الله ونسبوا اليه ما هو منزه عنه وما
عاناه المرسلون من جهتهم وما خولوه في العاقبة من النصرة عليهم فختمها بجوامع ذلك من تنزيه ذاته عما وصفه
به المشركون والتسليم على المرسلين والحمد لله رب العالمين على ما قيض لهم من حسن العواقب
والمراد تعليم المؤمنين ان يقولوا ذلك ولا يخلوا به ولا يغفلوا عن مضمنات كتابه الكريم ومودعات
تنزيله المجيد وعن علي رض من احب ان يكتال بالمكيال الاوفى من الاجر فليكن آخر كلامه اذا قام من
مجلسه سبحان ربك الى آخر السورة والله اعلم بالصواب م

تمت هذا الكتاب بعون الله الوهاب كاتب [illegible] محمود بن محمد [illegible]
[illegible] سنه


سورة فاتحة الكتاب
بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله رب العلمين الرحمن
الرحيم ملك يوم الدين اياك
نعبد واياك نستعين اهدنا
الصراط المستقيم صراط الذين
انعمت عليهم غير المغضوب
عليهم ولا الضالين
مكية وهي سبع ايات

احكم بالحق وربنا الرحمن
المستعان على ما تصفون
سورة الحج مكية
بسم الله الرحمن الرحيم
يا ايها الناس اتقوا ربكم
ان زلزلة الساعة شيء
عظيم يوم ترونها تذهل
كل مرضعة عما ارضعت
وتضع كل ذات حمل
حملها وترى الناس سكارى
وما هم بسكارى ولكن
عذاب الله شديد ومن الناس

راستی خویش نهان کس نکرد — بر سخن راست زیان کس نکرد

و عظت صدق خود کسی نپوشید است — زمراح بر کلام صدق کسی را مضرت نرسیده

راستی آور که شوی رستگار — راستی از تو ظفر از کردگار

و عظت صدق بنمای و فلاح یابی — چون تو صادق باشی حق تعالی مظفر گرداند و فلاح در صادقان راست

گر سخن راست بود جمله دُر — تلخ بود تلخ که الحق مُر

یعنی نزدیک خلق سخن حق تلخ نماید اگرچه مانند در باشد — تاکید سخنست یعنی راست تلخست و مرّ است و قال الله تعالی قل الحق ولو کان مُرّا

چون بسخن راستی آری بجای — ناصر گفتار تو باشد خدای

وعظ است یعنی سخن صدق بگو — تا یاری در سخن تو حق تعالی باشد

طبع نظامی و دلش راستند — کار بر این راستی آراستند

دلیل می آرد که کار نظامی بدیرفت — از صداقت دل و طبیعت او راست بود

مقالت یازدهم در فصل نوبهار گوید

هر نفس از پرده جانت رقیب — باز پی از پرده برارد غریب

یعنی هر دمی از دیده جان ترا رقیبانست داده یعنی قضا شرع — یعنی از غیب پیدا گرد دان لعب غریب

قطع بر از زخمه و رقاص نه — بحر بر از گوهر و غواص نه

مطرب یعنی همه غرایب مردم عاقل غیر تیره بنیست همه بدل زنده در با بر از گوهر — آن بود چنان هست فاما الحیات مرده غیر باشد و غواص نباشد نظیر است

از در مرد دولت و نی تاج و تیغ — نیست دریغ ار تو نخواهی دریغ

از مجبوبات و مطلوبات هیچ آید از در هیچ — هیچ از تو دریغ نمیکنند ولی آنک تو از حرمان خود نتابی لیز در یغست

گر برسد در دم جبریل — نیست قضا ممسک و قدرت بخیل

یعنی اگر ترا این مرتبه برسد همدم جبرئیل شوی — قضا و قدرت را دوست معنی امساک و بخل نیست یعنی توانی

زلف بنه جان آنک بری دیدست — دخل تو از خرج تو افزونترست

نام دویم سیوم گرداند ساجه اضحیه

عید اضحی ای یار برادرم   جان خود را چو اضحیه سازم

کعبه خویش روی او دانم   روی از کعبه جونه گردانم

آنکه گوسفندی دارد   نیت اضحیه ار بانکارد

هیچ واجب بران نمی آید   کشتن آن کسی نفرماید

هم بدین نیت ار کسی بخرید   کشتن آن بخویش واجب دید

او بنجبین فرق گوکجا گفته است   در صراحی چنین کسی سفته است

آنکه با اضحیه فقیر خرید   دین ناکهان او کسی دزدید

جای آن اضحیه خرید دگر   آن کم گر لو بود یا فت اگر

هر دو را باید او کند قربان   این روایت یکی عجب بدان

و تونگر همان یکی لیک   هر دو کشتن کسی نفرماید

صوم مسئله عین آن دانند   هیچ با آن فرق نکرد دانه

و بنجبین فرق گوکجا گرداند   در صراحی است این که اورداند

روز نحر ار فقیر اضحیه دو   آنکی او اینجنین صواب افتاد

نشد و دزکند لیام   گوسفندی ذاده ناکام

این روایت بقول مختار است   در صراحی چنین نمود است

نام دویم در بیان آنکه اضحیه را کدام دنا رواست

شرط در اضحیه جه میدارد   هر کسی را نبی همی آرد

جذع از ضان اگر دهد شاید   در صراحی و کنز فرماید

باز آن جذع گو کرا گویند   شش مهی عمر او همی جویند

زعفرانی درین خلاف آرد   جذع را هفت ماه میدارد

این روایت کجا بدید لیک   در هدایه بنظر بفرماید

کم ازین را روا نمیگویند   در صراحیست گر کسی جوید

باز در شاة کو چه می آرد   شرط یکساله را همی دارد

باز در گاو گوچه دهد   دو سالی او دو جو پای نهد

حکم جاموس هم چنین شمرد   گر دهد اضحیه روا نکرد

باز اندر شتر بگو چه دهد   پنج ساله بششم پای نهد

اسپ گر میدهند روا نبود   گور خر مثل این شمرده شود

حکم آهو هم اینچنین دانند   بز کوهی نیز همچنین مانند

نیک لاغر روا نمی دارد   گور را نیز مثل این آرد



کتاب دهم

توحید

یا رب از ما چه فلاح آید اگر تو نپذیری / به خداوندی و لطفت که نظر باز نگیری

درد پنهان به تو گویم که خداوند علیمی / یا بگویم که تو خود واقف اسرار ضمیری

گر برانی به گناهان قبیح از در خویش / هم به درگاه تو آیم که لطیفی و خبیری

ور به تو میلی از در ... / دگری چاره نماند که تو بی شبه و نظیری

دست در دامن عفو تو زنم و باک ندارم / که کریمی و رحیمی و علیمی و خبیری

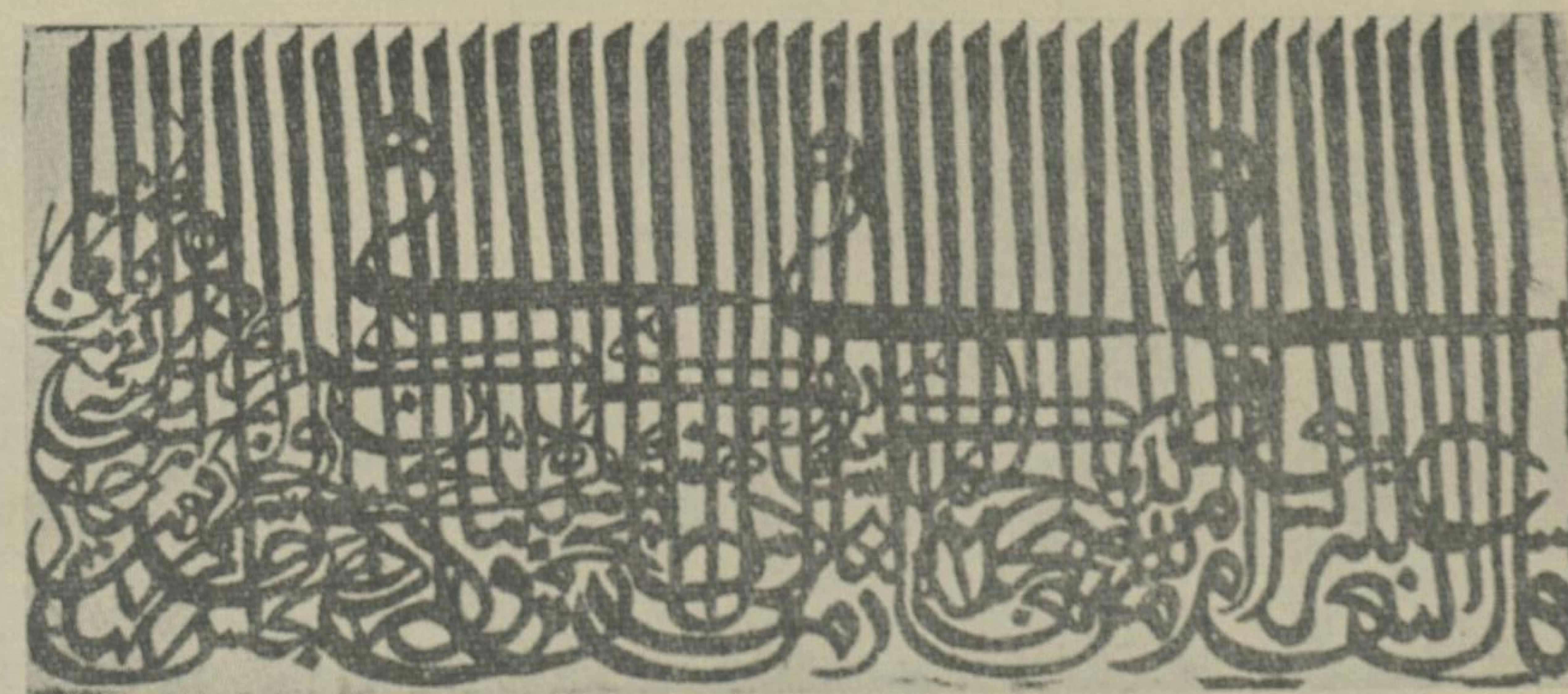
خالق الخلق نگارنده ایوان رفیعی / فالق صبح برآرنده خورشید منیری

حاجت موری ... / بر تو پیدا که نماند که سمیعی و بصیری

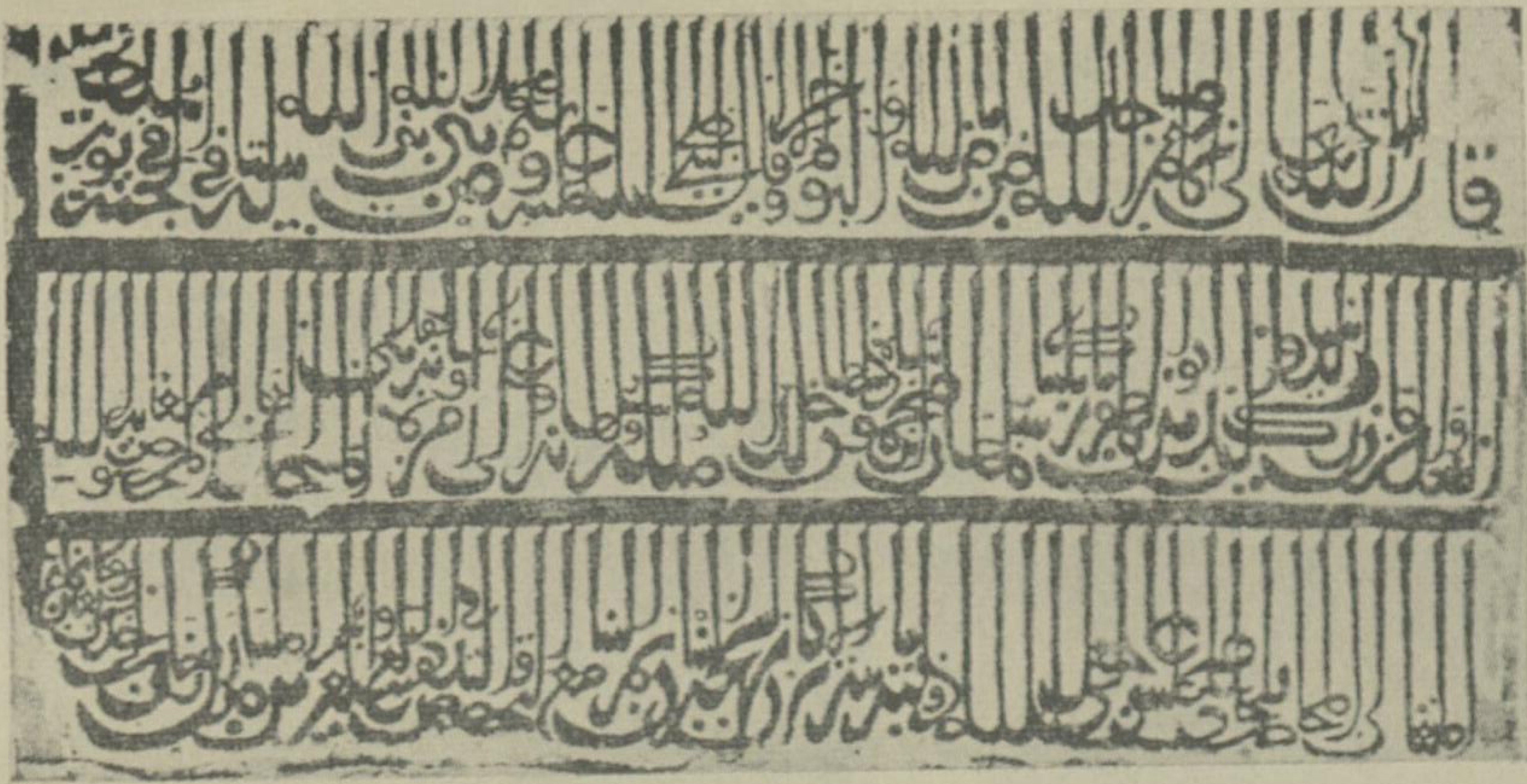
کرم خلق ... / چه تفاوت کند ار زانکه تو مولی و نصیری

همه را ملک ... / تو خداوند جهانی که ...

... من ملک الملک غنی تو فقیریم / چاره در ره ... عجز و گدائی و حقیری



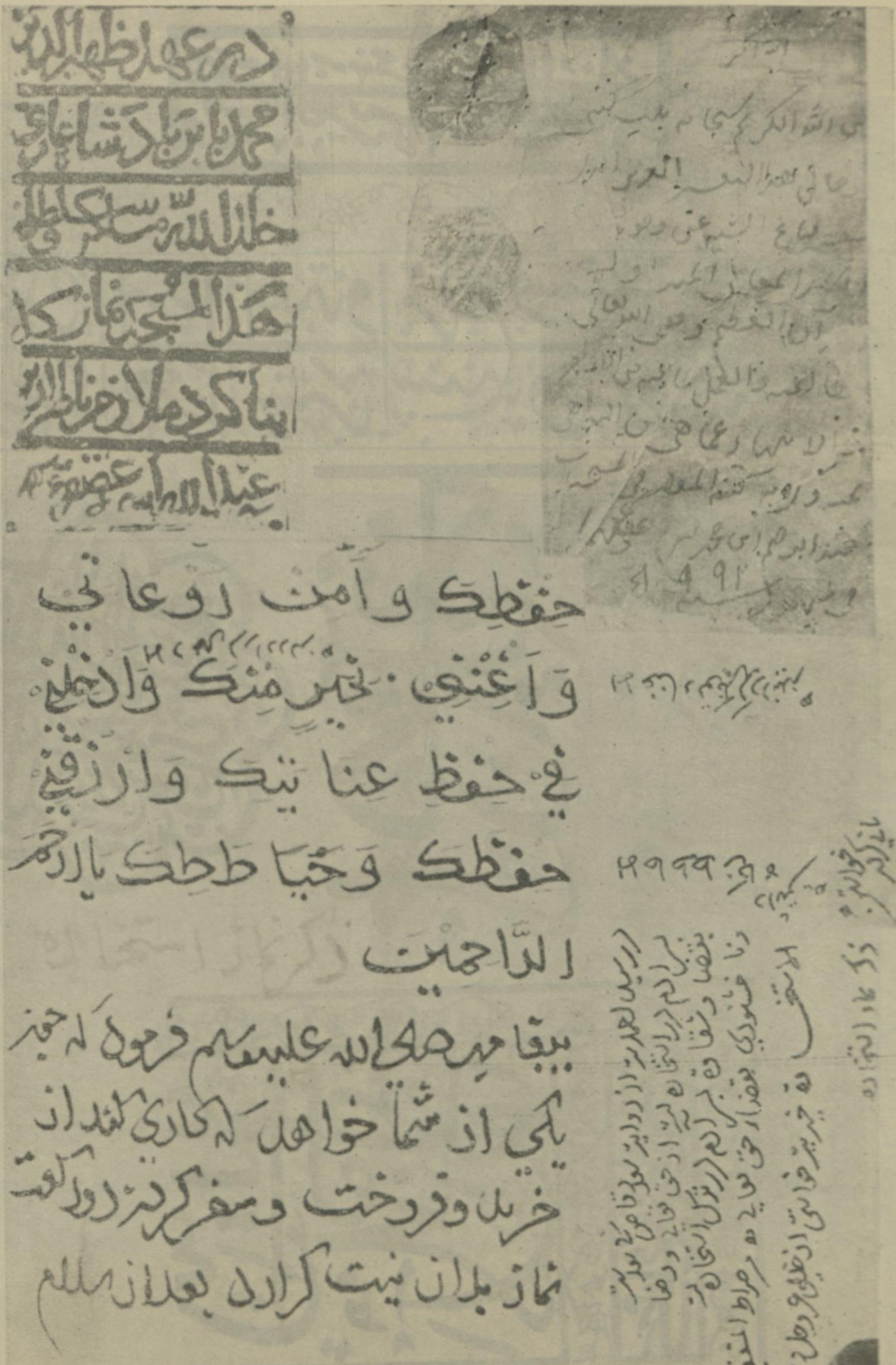
(٢٩)



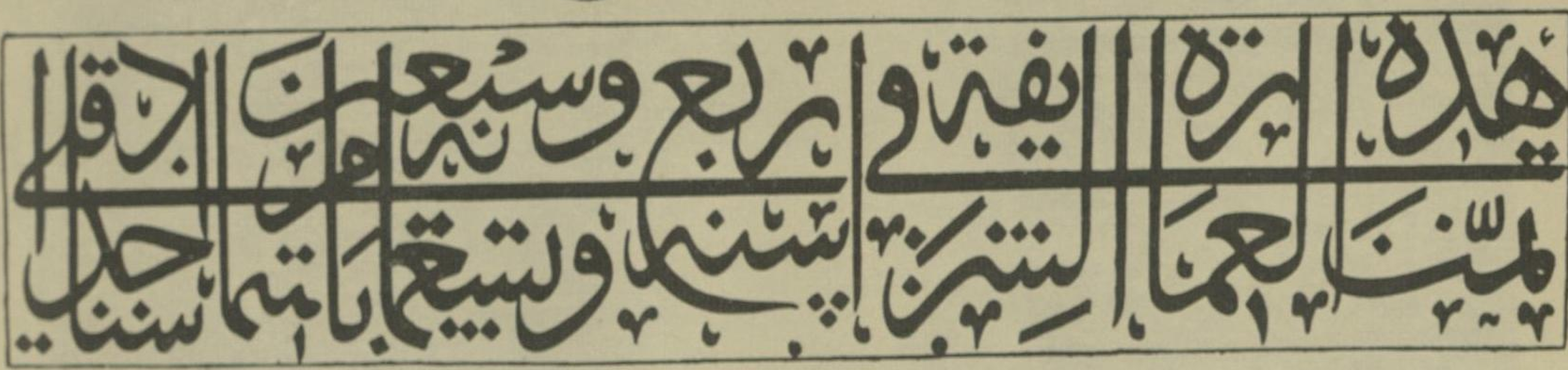
(٣٠)



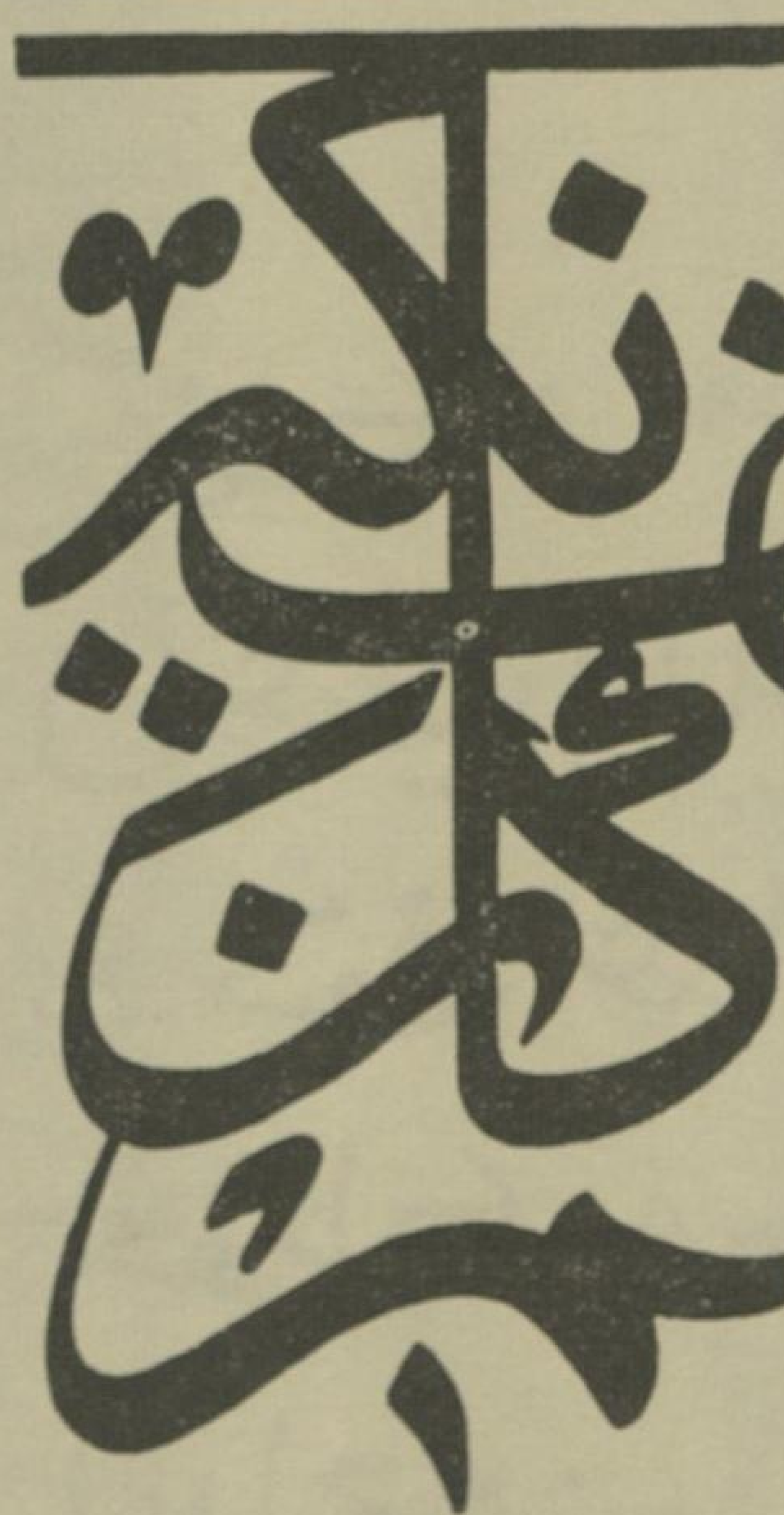
(٣١)

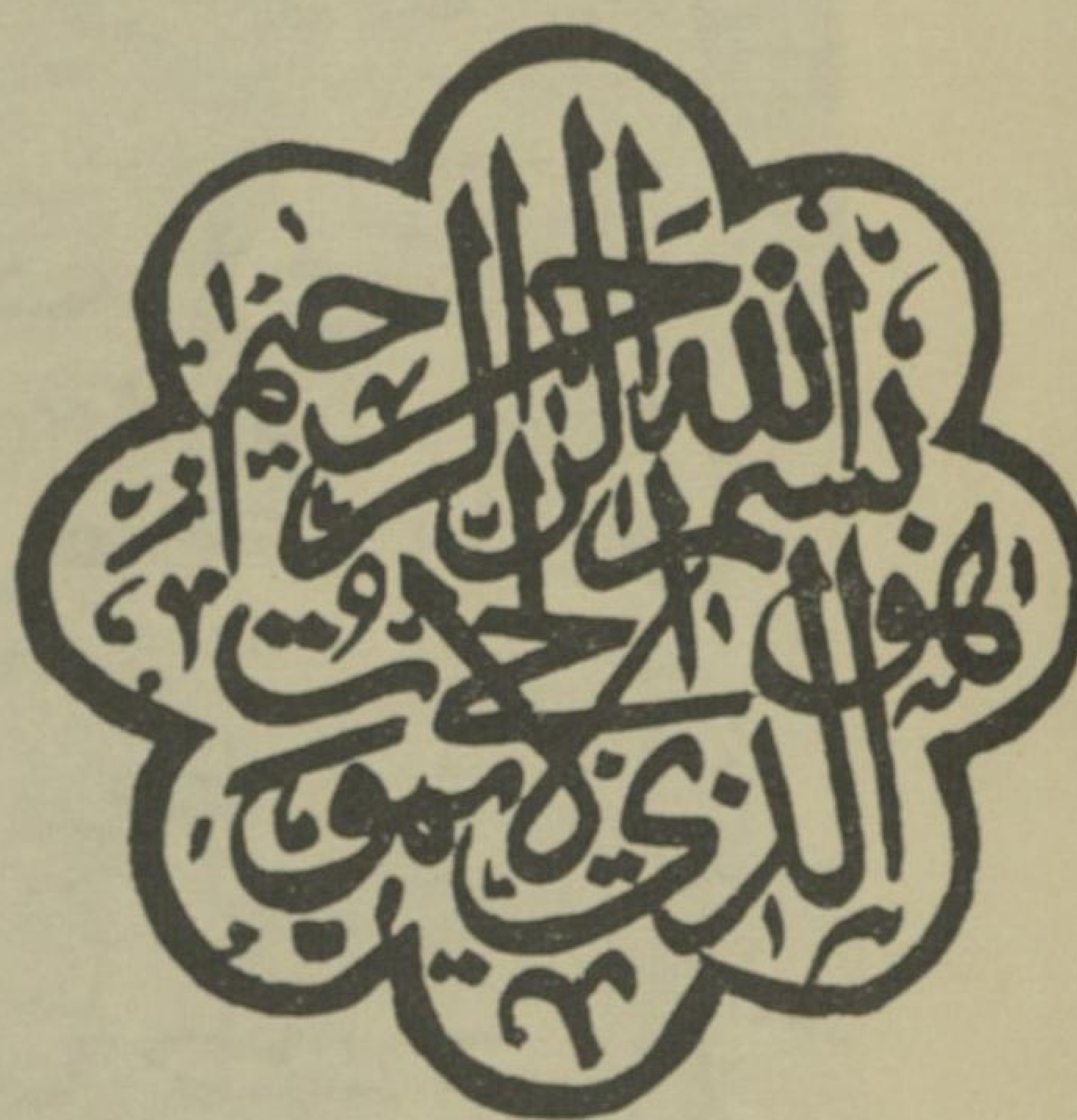

در عهد ظهير الدين
محمد بابر بادشاه غازی
حفظك وامن روعاتي
واغنني بخير منك وادخلني
في حفظ عنايتك وارزقني
حفظك وحياطتك يا ارحم
الراحمين










بسم الله الرحمن الرحيم

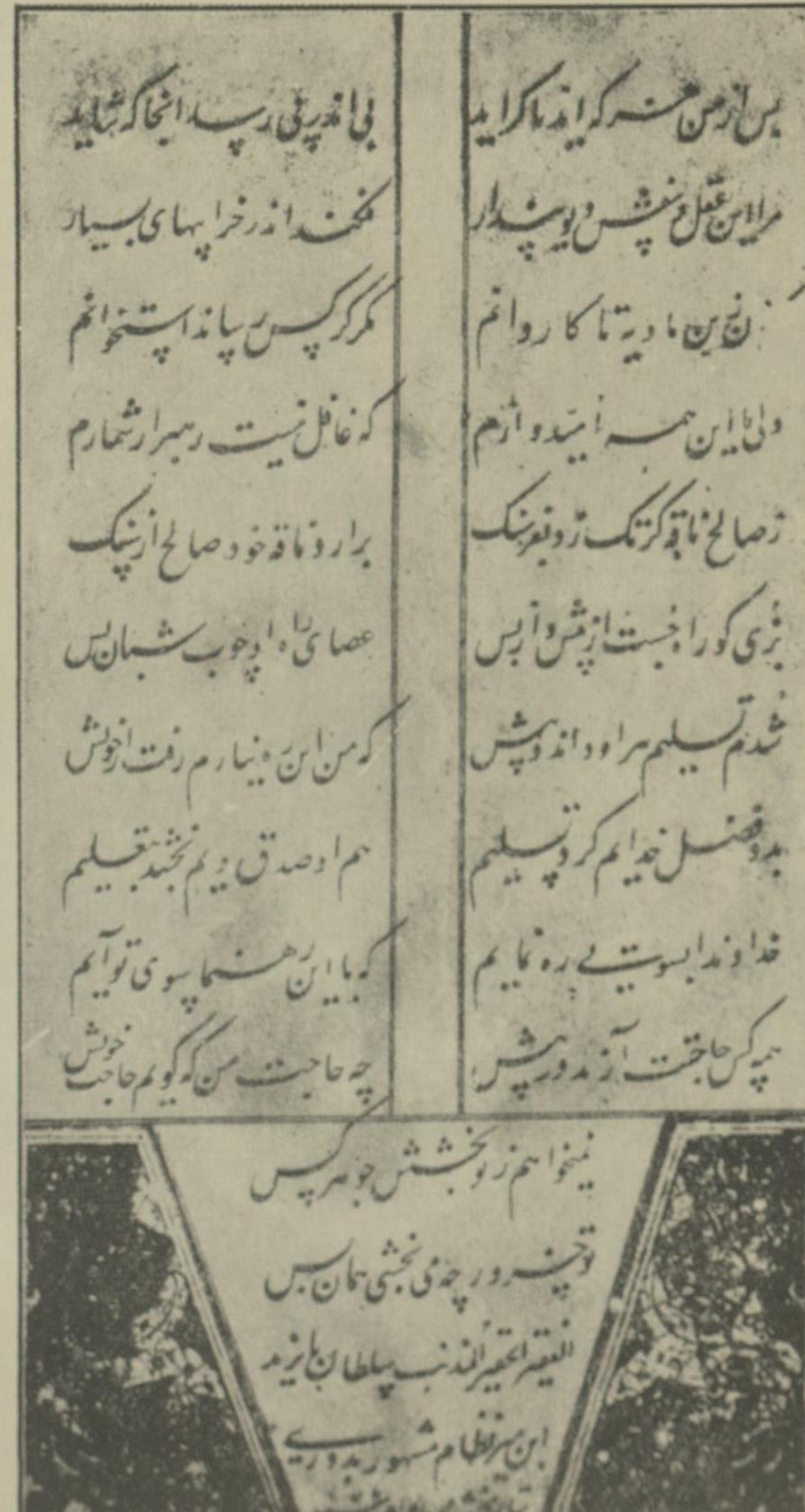





قد تمت القصه رباعیات حکیم عمر خیام بعون الملک العلام بید الضعیف الفقیر ... بن عبدالله العباسی فی تاریخ عشرین شهر رجب المرجب سنه الف ثمانین من الهجرة النبی صلی الله علیه وسلم

اللهم اغفر لکاتبه ولوالدیه

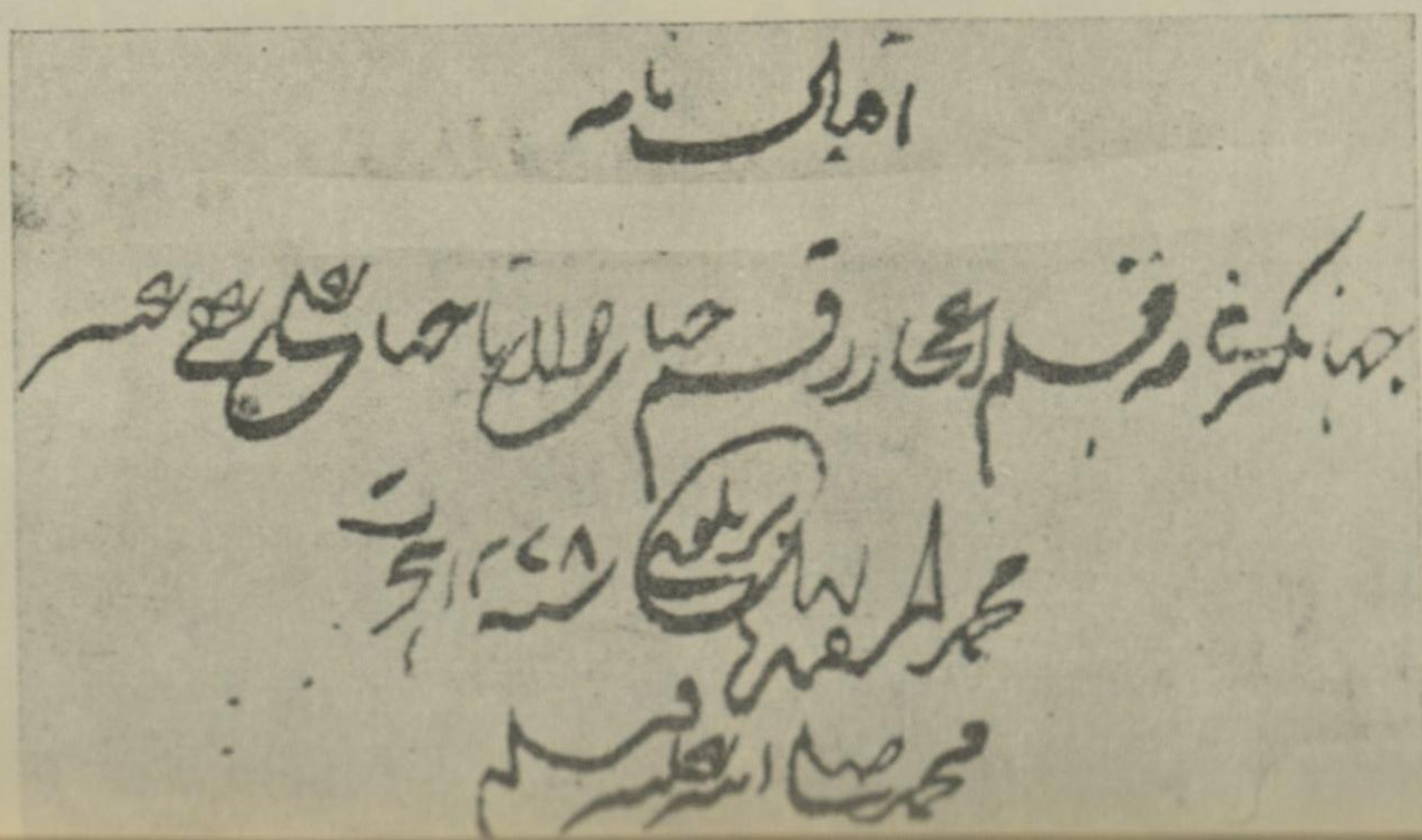

روز دیگر طوطی بعلاج رای مشغول شد و خدمت پسندیده کرد چنانکه
رای را نیز اعتماد تمام شد و اعتقاد کلی گشت و از ادویه و اشربه او نیم زحمت
رای برفت یکروز طوطی آغاز کرد ای رای چون بواسطه من نیم زحمت تو زائل
شد تو مرا در زحمت تمام بپسندی و چون گناهکاران در زندان قفص مدار
پر و بال شکسته من از حجره قفص بیرون آر و مرا در صحن سرای خود بدار که



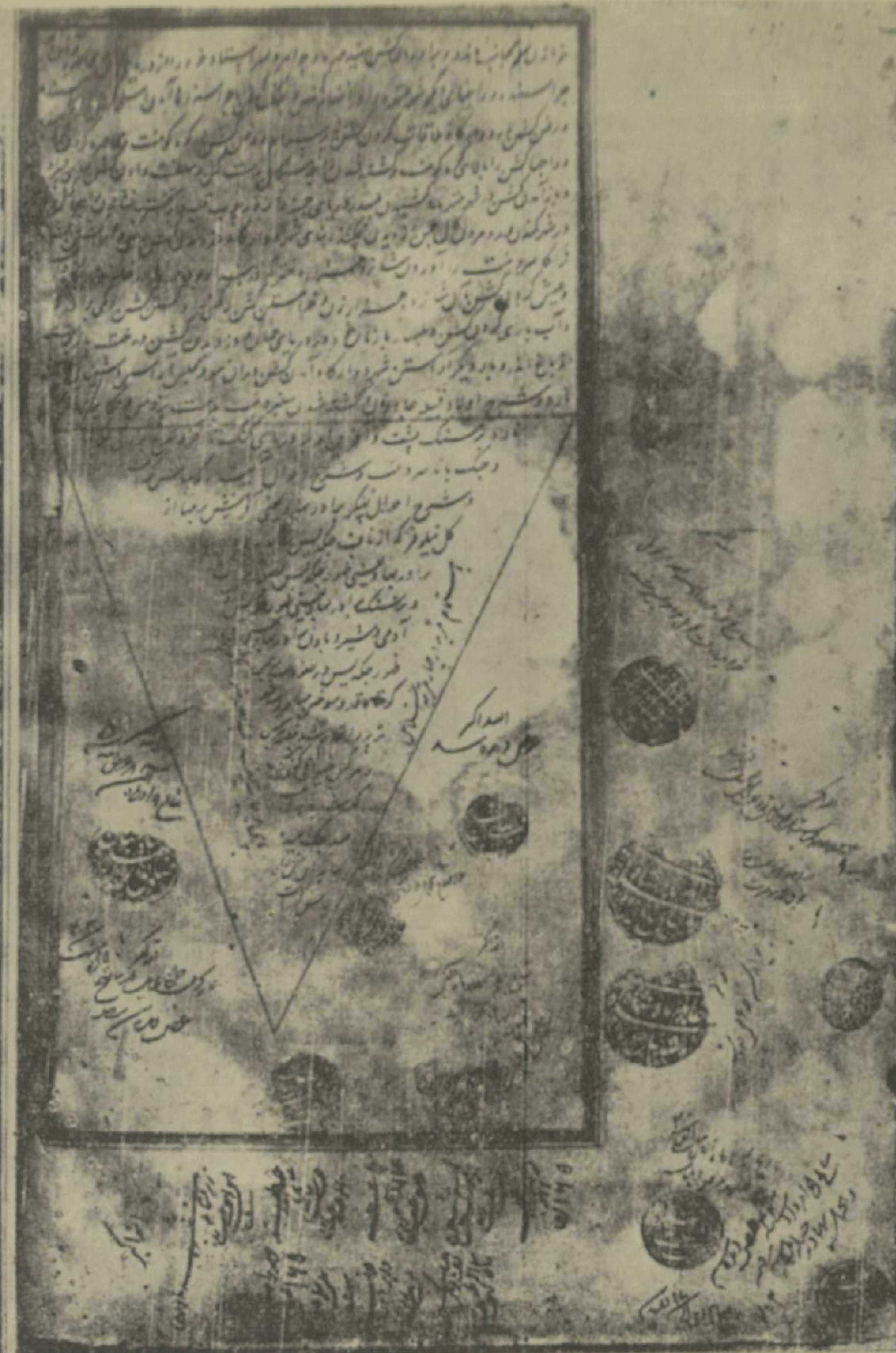
(٣٥)



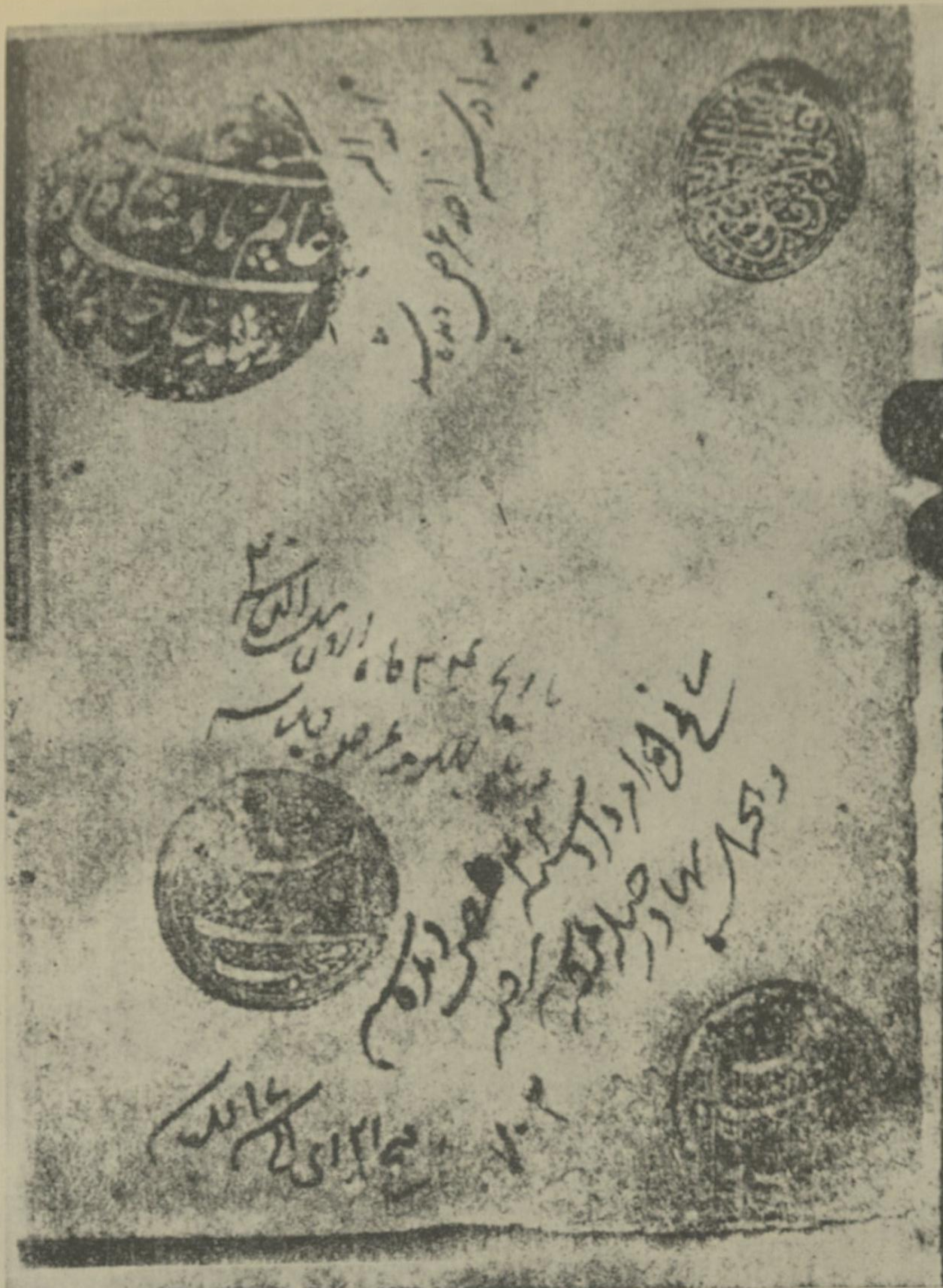
(٣٦)



(٣٧)



(٣٨)



(٣٩)


بسم الله الرحمن الرحیم
الله اکبر
کتاب طغرانامه بخط مولانا
اتمام کتابت فی تصحیح



(۵۲)



(۵۳ -- ۵۴)


والصلوة والسلام علی خیر خلقه محمد وآله واصحابه اجمعین
ما نصیحت بجای خود کردیم
روزگاری درین بسر بردیم
گر نیاید بگوش رغبت کس
بر رسولان پیام باشد و بس
کتبه العبد المذنب الفقیر محمد حسین الکشمیری
غفر الله ذنوبه وستر عیوبه
فی شهور سنه تسعین تسعمائة
ببلده فتحپور




ب الحقیر عبدالله مشکین قلم
فر الله ذنوبه وستر الله عیوبه
سنه ۱۰۱۱





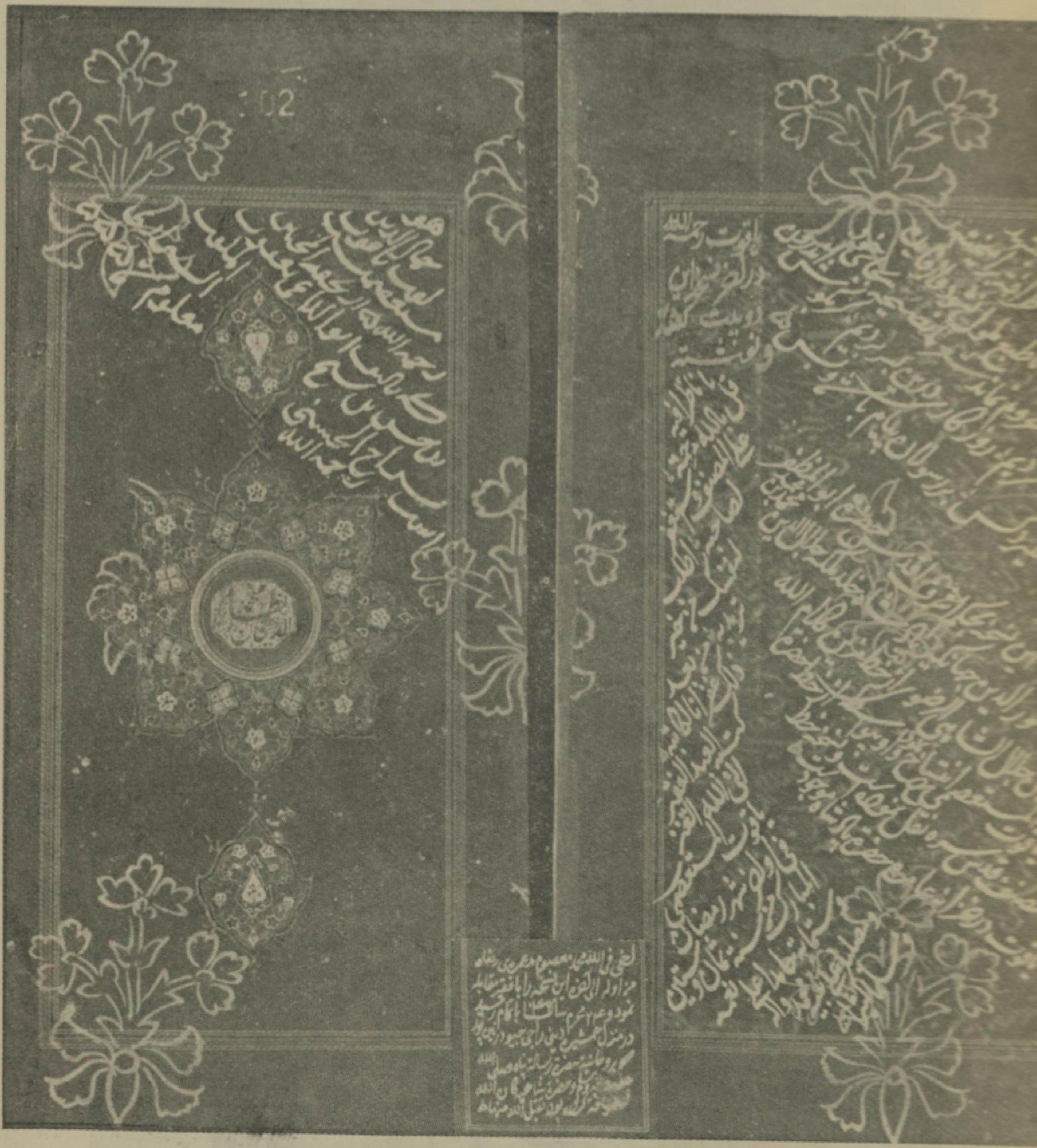
(٥٩)



(٦٠)

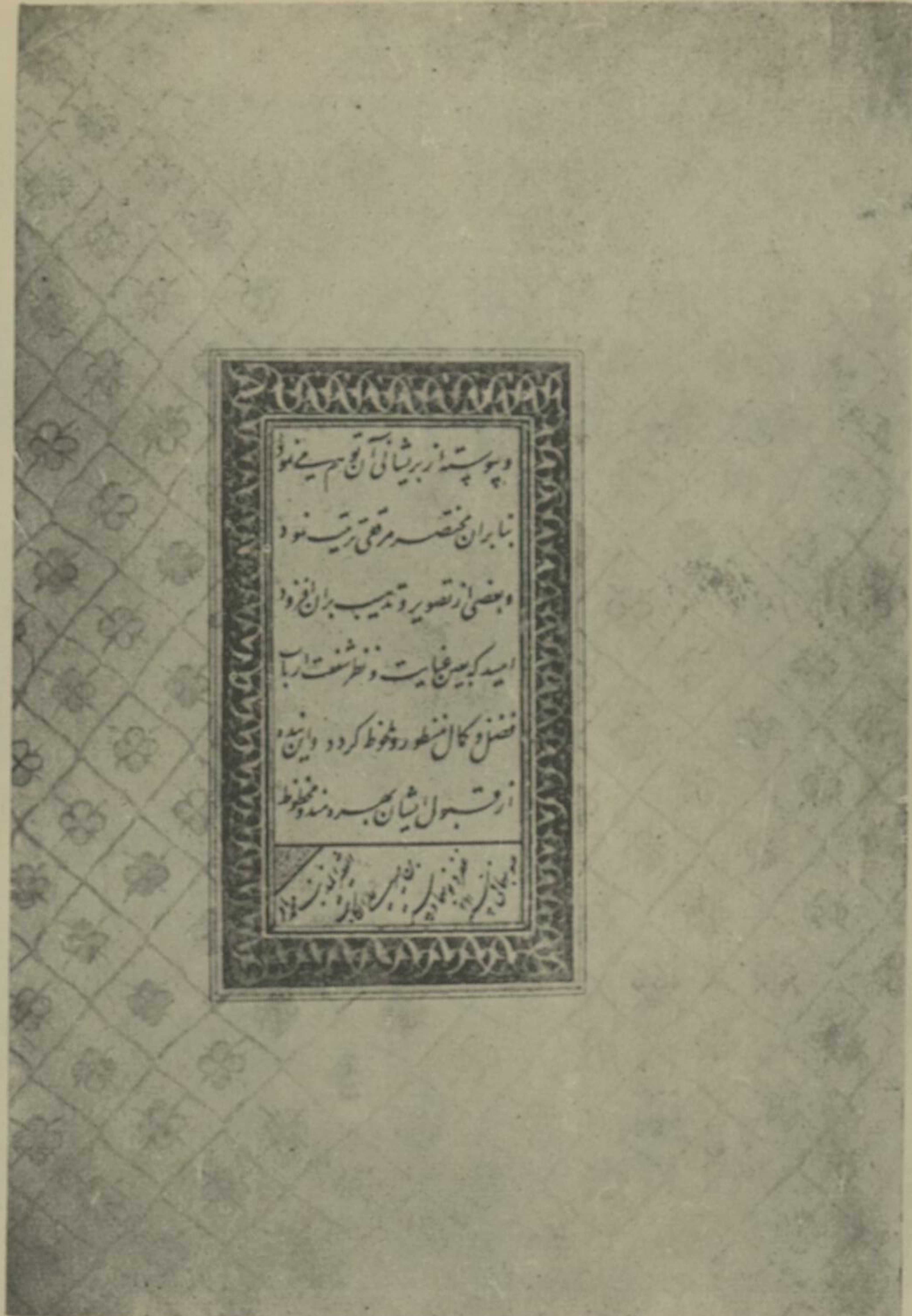


(٦١)

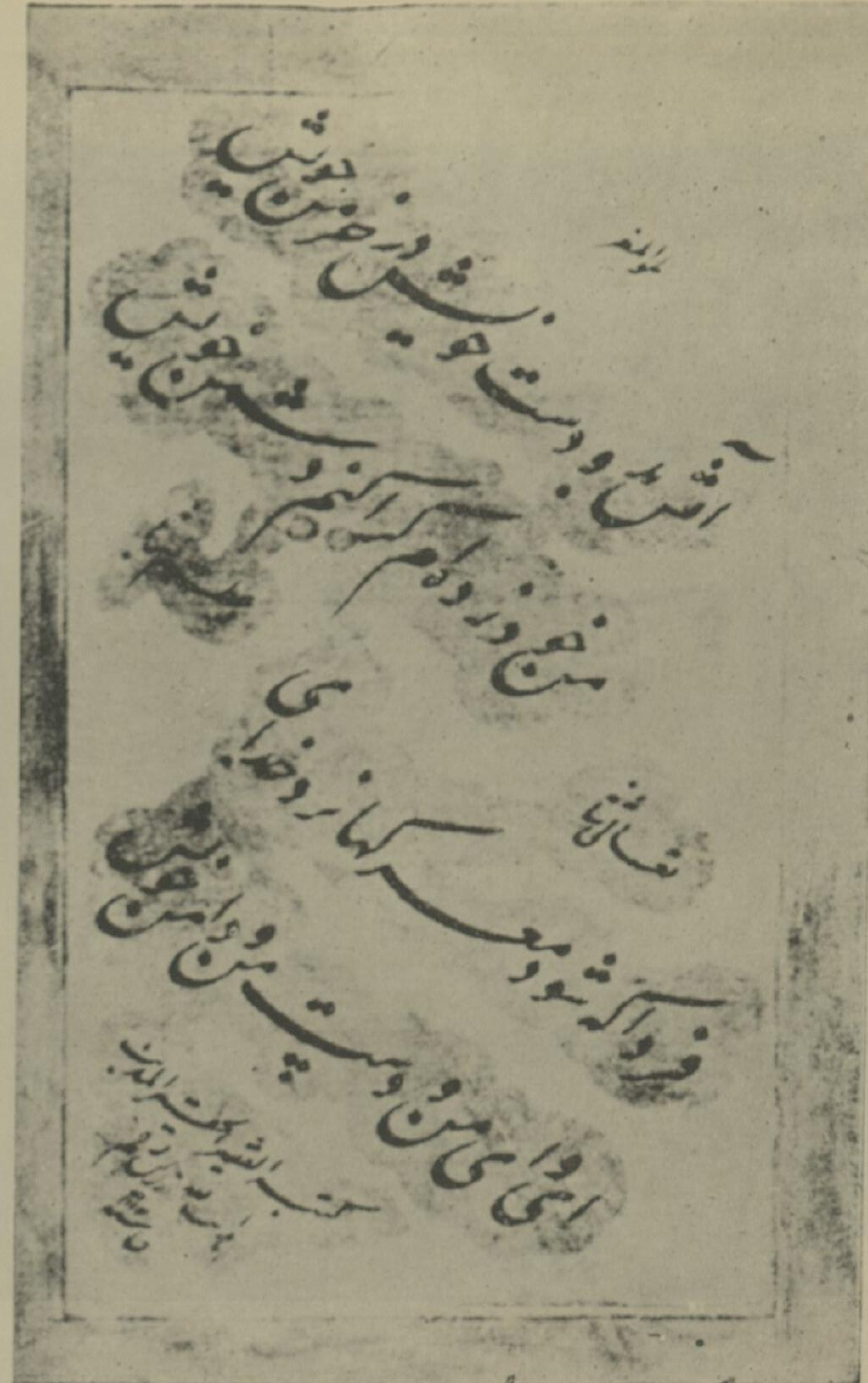


و رویش سرخ و موی نیکو رسفید و رویش سیاه و دم میمون دراز پت نابر
غرابت این مقدمه نوشته شد روز دوشنبه بیست و نهم مقام نموده شکار
نیله گاو رفتیم دو نیله گاو یکی ماده به بندوق زدم روز سه شنبه سی ام نیز مقام
شد شب کم شنبه بیست و سوم ربیع الاول سنه ۱۰۲۸ هجری بعد از گذشتن چهار ده
و نیم گری تحویل حضرت نیر اعظم و عطیه بخش عالم ببرج حمل اتفاق افتاد و تا
این نوروز جهان افروز دوازده سال از جلوس این نیازمند درگاه الهی بخیر و خوبی
گذشته سال نو بمبارکی و فرخی آغاز شد روز مبارک شنبه دوم فروردین ماه الهی
جشن وزن قمری انجمن افروز گشت و سال پنجاه و یکم از عمر این نیازمند درگاه
ایزدی بمبارکی آغاز شد امید که مدت حیات در مرضیات الهی صرف شود
و نفسی بی یاد او نگذرد وقایع دوازده سال که یک دفتر است اینجا باتمام

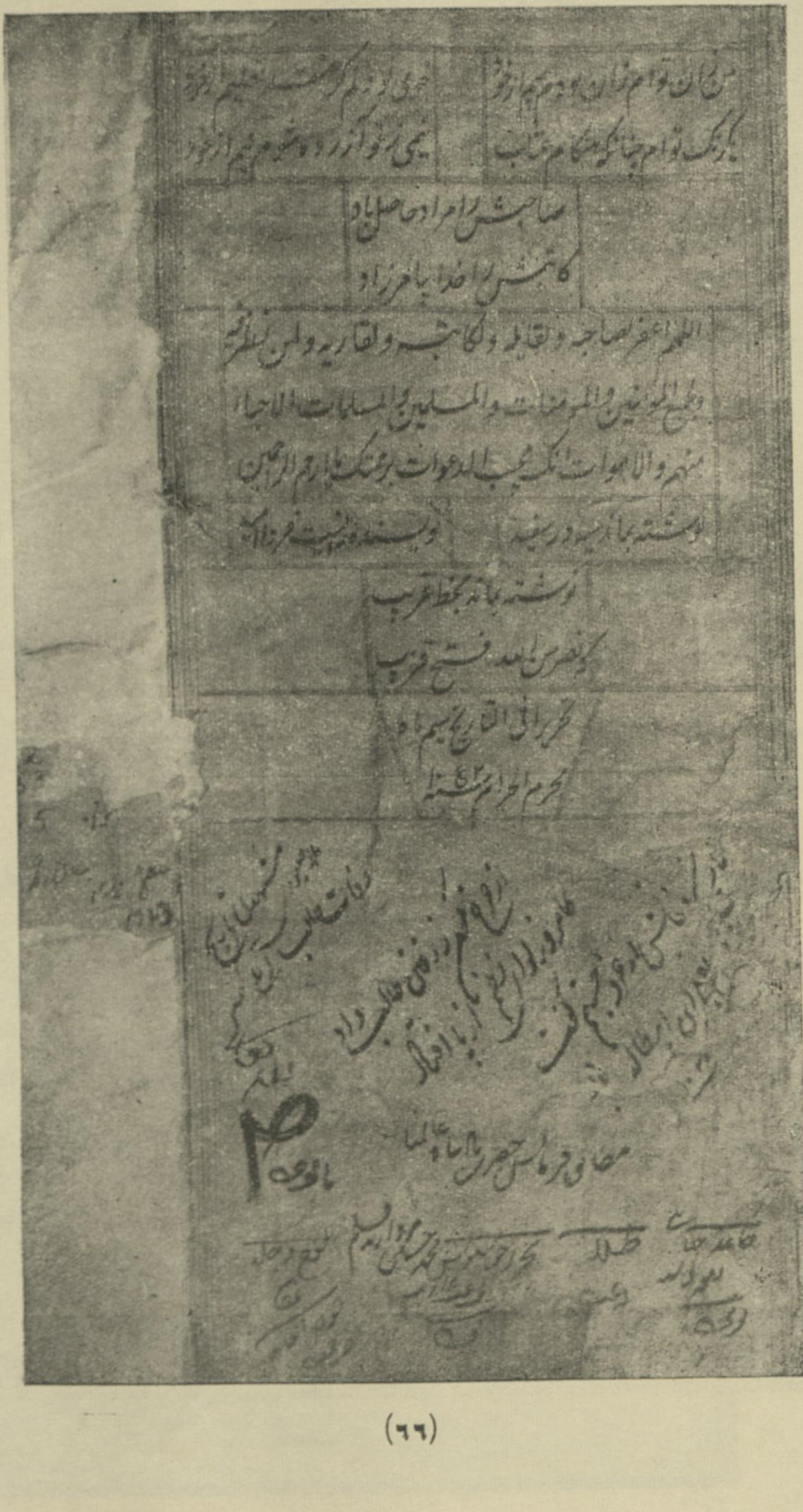
رسید کتبه العبد المذنب الفقیر
الحقیر عبد الرحیم الهروی عنبرین قلم ستر الله
عیوبه و غفر ذنوبه تحریر ابدار السلطنه لاهور کرد
مرقوم قلم شکسته رقم گردید فی شهور سنه
اربع و ثلاثین و الف من الهجرة النبویه

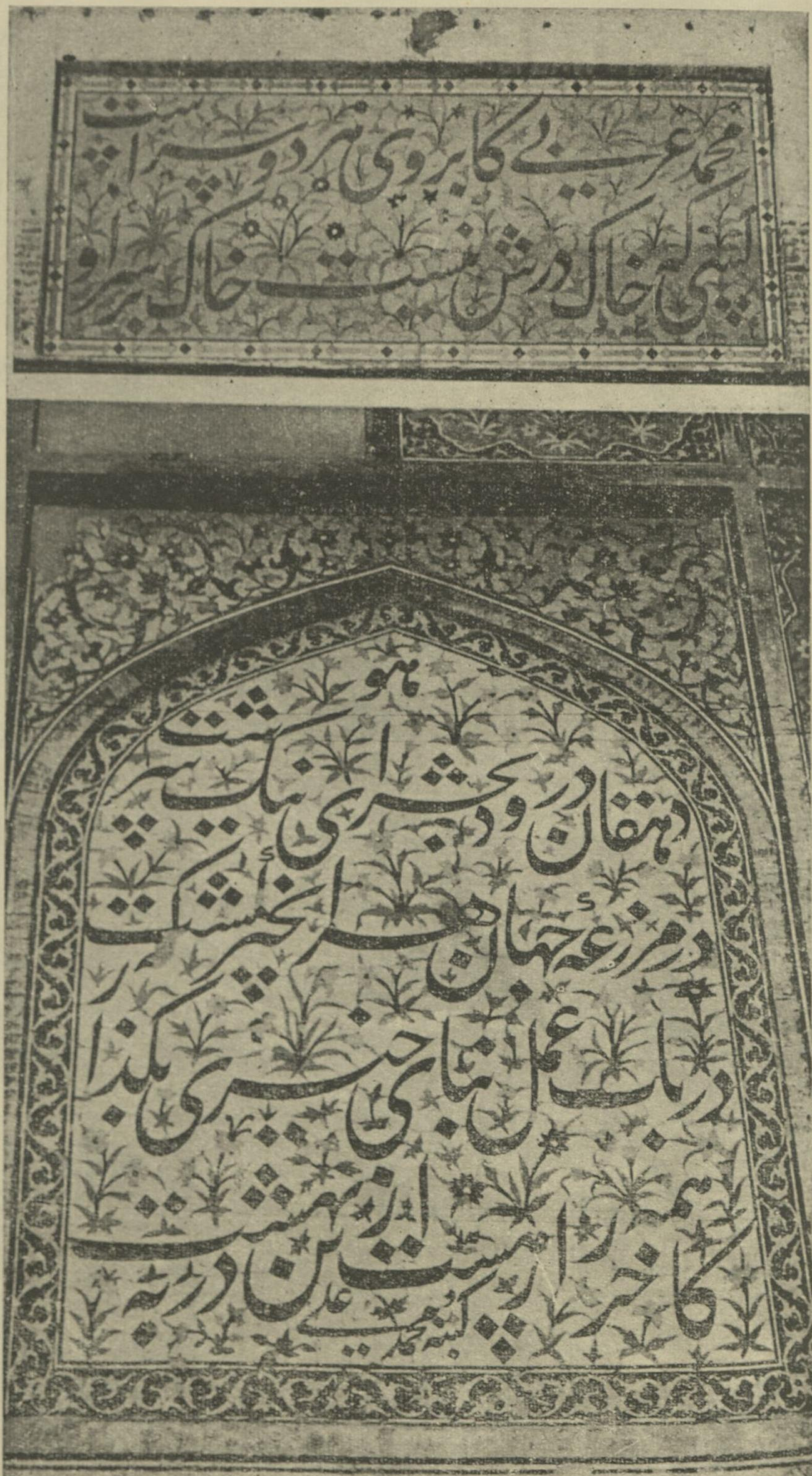


(٦٤)



(٦٥)


صاحبش را مراد حاصل باد
کاتبش را خدا بیامرزاد
اللهم اغفر لصاحبه ولقائله ولکاتبه ولقاریه ولمن نظر فیه
ولجمیع المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات الاحیاء
منهم والاموات انک مجیب الدعوات برحمتک یا ارحم الراحمین
نوشته بماند سیه بر سفید
نویسنده را نیست فردا امید
نوشته بماند بخط غریب
که نصر من الله وفتح قریب
تحریراً فی التاریخ بیستم ماه
محرم الحرام



(٦٧ -- ٦٨)



(٦٩ -- ٧٢)



(٧٣ -- ٧٦)





حکمت و [illegible] محمد [illegible] کفنی [illegible] که در [illegible] و [illegible] دیگر [illegible]

[illegible] نکهت [illegible] کس [illegible] فصاحت [illegible] که هر [illegible] کفنی [illegible]

در [illegible] قصد [illegible] تمام گشت کتاب [illegible] در [illegible]

[illegible] نسخه [illegible] مولانا [illegible]

[illegible] حامه [illegible]

[illegible] سعدی [illegible] و [illegible] طبع

[illegible] قافیه [illegible] خوردن [illegible]

[illegible] صاحب [illegible]

[illegible] در سلک [illegible] و [illegible] شهید [illegible]

[illegible] طبع [illegible] و الله اعلم بالصواب

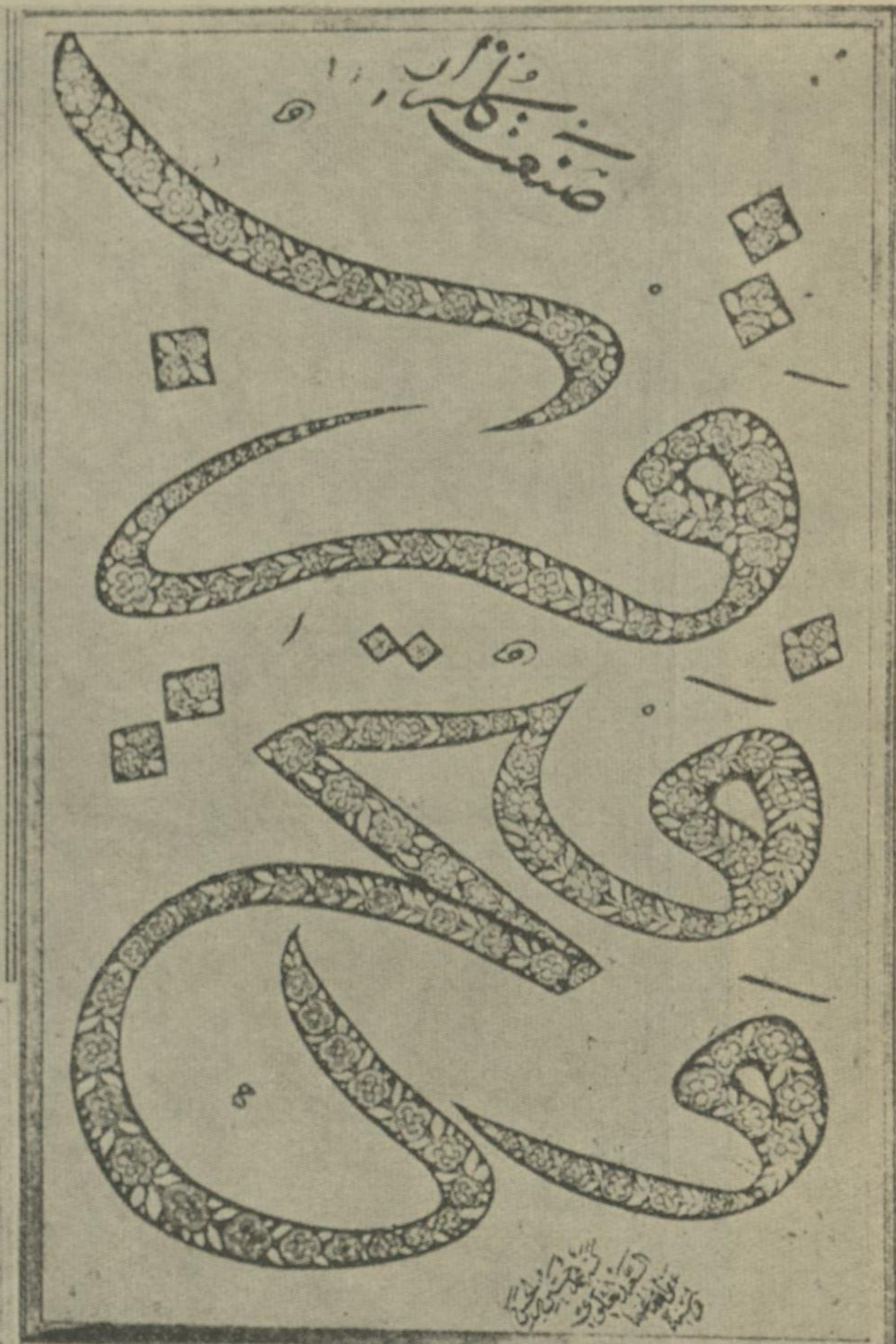
فی ۲ شهر محرم الحرام ۱۰۸۶

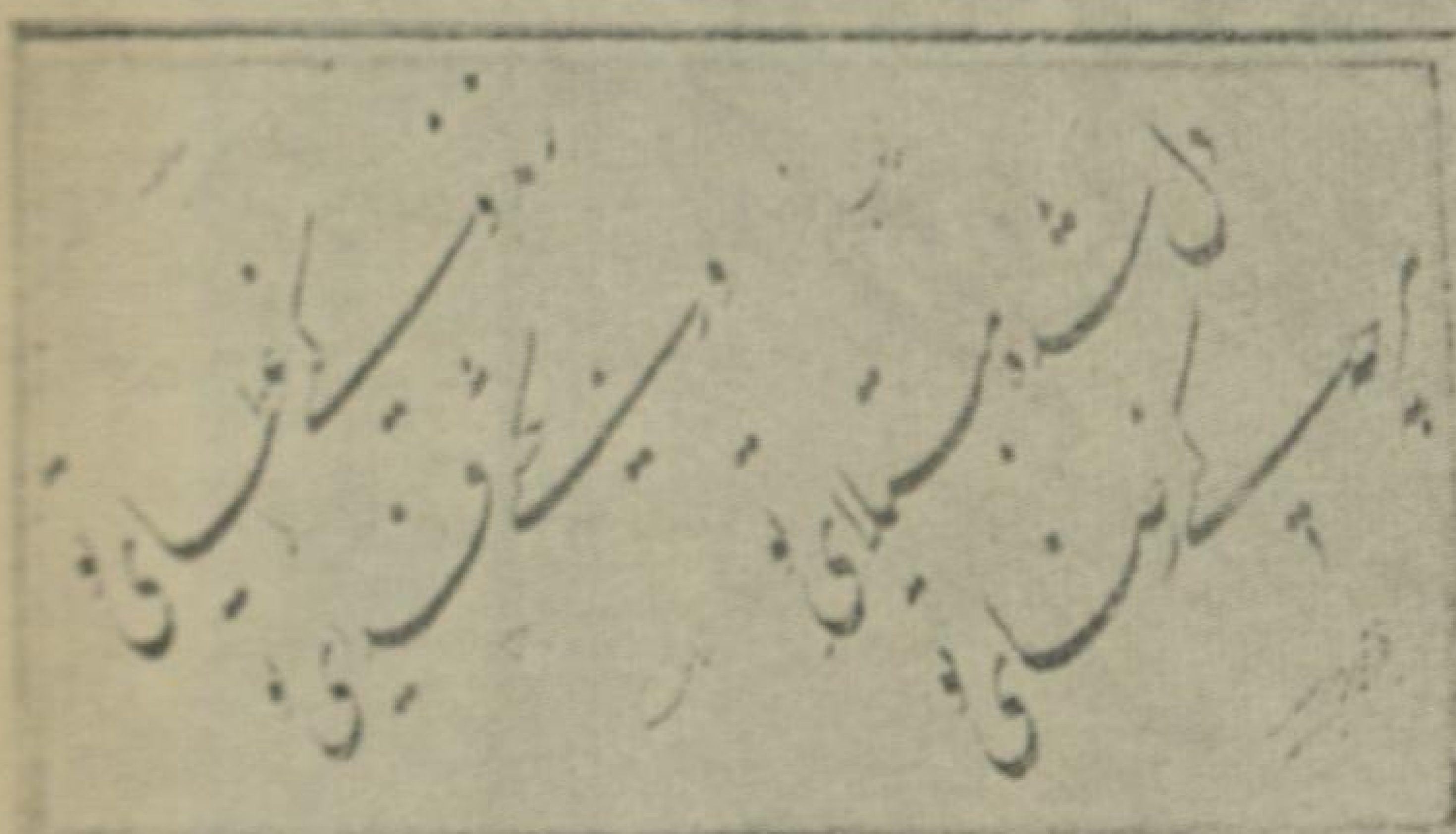
در دار الخلافه جهان آباد

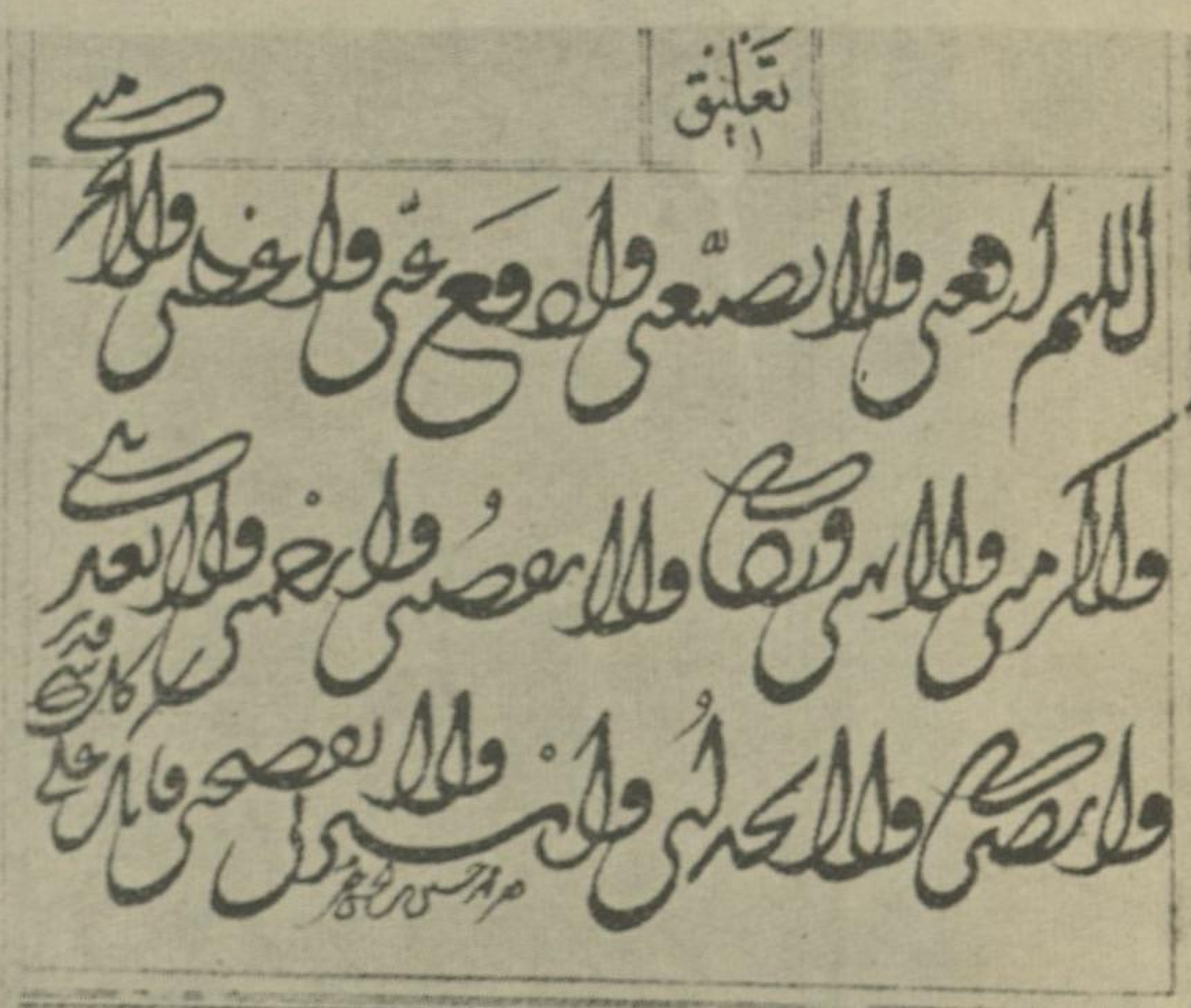
باتمام رسید

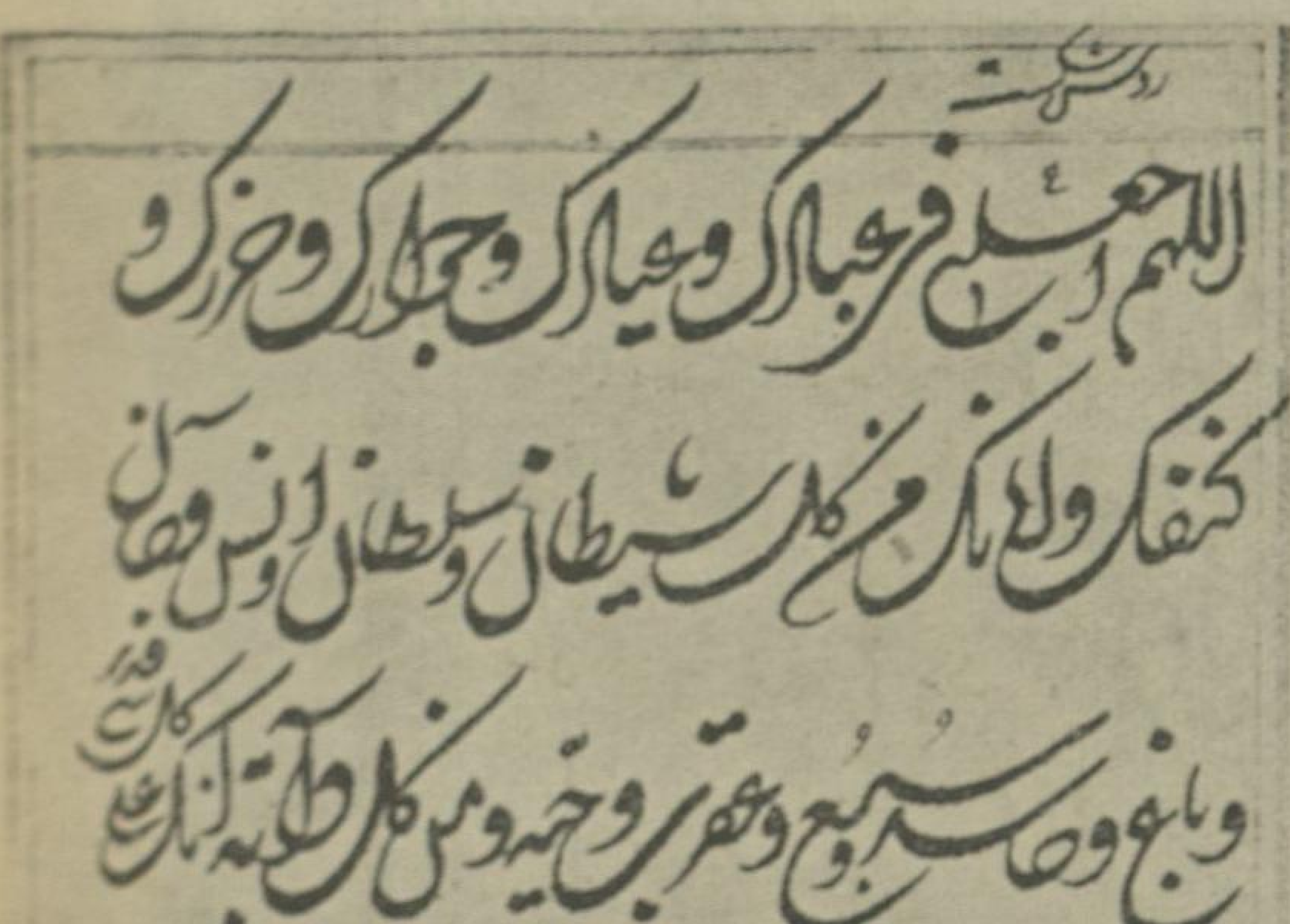
[illegible]








تعلیق



سر او ... | سراپرده و سیم ...
بلند اختر جمشید و خود برگرفت | ز کار جهان ماند اندر شگفت

گه رزم فرزانست در روز ... | گهر شادمانی دهد گنج ...
نثار آن به گرز و جام با نیم و شنور | همه سر بگند رانیم روز بزور

بدان گه که شد باد از آسیاب | همه سوی فرخ برافکند هنگام خواب
سپهبد بدان گه که شاد شد | ز تیمار و از رنج آزاد شد

برو آفرین کرد بسیار گفت | که از پهلوانان ترا نیست جفت
ده و هفت از ایو ... افراسیاب | که گر بر شمارد نگیرد شتاب

ز دینار و از گوهر شاهوار | ز زرینه گفتم که هر سو هزار
از اسبان تازی بزرین ستام | ز شمشیر هندی بزرین نیام

یکی تخت پرمایه از ساج و عاج | ز پیروزه و جامه از لعل تاج
بنزدیک پیران فرستاد گنج | و از هر بسی هدیه داد نیز

پرستار رومی و چینی غلام | پر از مشک و عنبر ز پیروزه جام
سپهبد چو برگشت از پیش شاه | بدو گفت شاه ای گو نیکخواه

تو با موبد ... باش هشیار باش | سپه را ز دشمن نگهدار باش
بهر کشوری دشمن دارد جهان | پراگنده بد بست هر سو نهان

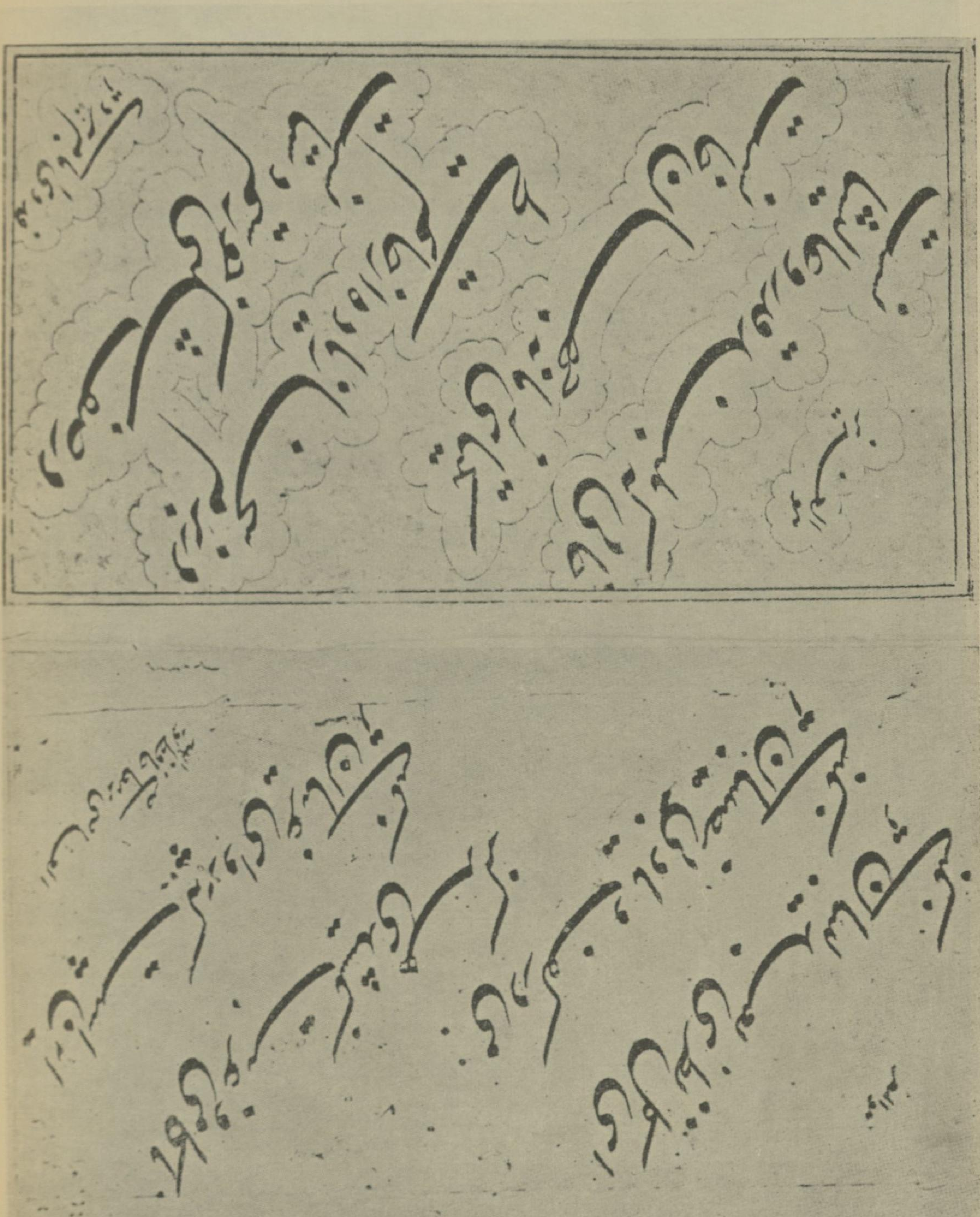
که نخجیر امروز با خواسته است | بداد و دهش لشکر آراسته است
ز ترکان دشمن بس ایمن مشو | زمان تا زمان آگهی خواه نو

نژاد بزرگی و تخت و کلاه | خجسته کردار ایشان ...
بجائی که رستم بود پهلوان | تو این لشکر به ... روان

بدو رفت ... | که سالار او بود و پیوند او
سپهبد از توران و آن انجمن | نهادند سر سوی شهر ختن

بپای آمد این داستان بیژن | کنون رزم کاموس باید شنود

[illegible]



مصنف نے لکھا ہے کہ کاتب شیر علی دراصل شہزادہ بایسنغر مرزا المتوفی ۸۳۷ھ کے درباری کاتبوں سے تھا اور مجالس النفائس میں لکھا ہے کہ شیر علی کاتب نے عزلت اختیار کرلی تھی اور وہ ۸۹۶ھ تک زمانہ تالیف مجالس النفائس تک زندہ تھا۔ اس کا لکھا ہوا نمونہ مرقع بہرام مرزا کتاب خانہ اوقاف استنبول میں بھی محفوظ ہے اور اس کا نام اس نمونہ پر اس طرح درج ہے

"کتبہ العبد شیر علی عفا اللہ عنہ فی سنۃ ثلث و خمسین و ثمانمایۃ"۔

مگر یہ نسخہ نادر شاہ کے ذریعہ طہران پہنچا اور وہاں سے کسی طرح امریکہ پہنچ گیا۔

اسی طرح برٹش میوزیم لنڈن میں ایک مخطوطہ خمسہ نظامی (BM 7786) ہے جو ایک بیش بہا خزانہ ہے اگرچہ اس پر آخیر کاتب کا نام نہیں ہے مگر اس پر مندرجہ ذیل تحریر جہانگیر بادشاہ قابل مطالعہ:

اللہ اکبر: پنجم آدر ۱ سنہ داخل کہ این نیازمند درگاہ آمد حررہ نورالدین جہانگیر
اکبر بادشاہ ۱۰۱۴ھ۔ این خمسہ ہم از کبائر خاصا منست بیست و دو مجلس تصویر
کار استاد بہزاد است وغیرہ شاہزدہ کار بہزاد و پنج کار میرک و یکے کار
عبدالرزاق ——— قیمت پنج ہزار روپیہ

اسی طرح شاہ جہاں جب بادشاہ ہوا تو اس نے مندرجہ ذیل عبارت اس پر لکھی۔

اللہ اکبر؛ الہی:- این خمسہ سخن پرداز نامی شیخ نظامی علیہ الرحمۃ۔ نیازمند
بیست و پنجم ماہ بہمن الہی مطابق ہشتم شہر جمادی الثانی ۱۰۳۷ سنہ ہجری از جلوس
مبارکست داخل کتابخانہ را نیازمند درگاہ شد۔ حررہ شہاب الدین محمد شاہجہاں
بادشاہ بن جہانگیر بادشاہ بن اکبر بادشاہ غازی"۔

اس پر کلاہی مہر بھی شاہ جہاں کی موجود ہے جو عموماً جلوس تخت نشینی کے وقت استعمال کی جاتی تھی۔

افسوس اس مخطوطہ کے ترقیمہ میں کسی کاتب کا نام نہیں ہے مگر مہریں بے شمار ہیں اور مندرجہ بالا جہانگیر اور شاہجہاں کی تحریروں کی وضاحت بھی کردی ہے ویسے معلوم تو ہوتا ہے کہ یہ مخطوطہ منعم خاں خان خاناں سے تعلق رکھتا تھا جس کا یہاں ترقیمہ میں نام درج ہے۔ ان تحریروں سے ایک طرح اس وقت کے دستور کتابخانہ کا بھی پتہ چلتا ہے۔

اس کے علاوہ میں نے ایک مخطوطہ بوستان سعدی دیکھا جو اتفاق سے دہلی کے عجائب گھر میں محفوظ ہے جو دراصل

تھی سلطان ابوالفتح عبدالقادر ناصر شاہ (۹۱۶ھ - ۹۰۶ھ) مالوہ مانڈو کے کتاب خانہ میں تھا جس پر مندرجہ ذیل تحریر تھی۔

"برسم خزانہ سلطان الاعظم الاعدل الاکرم مالک الرقاب والامم ابوالفتح
عبدالقادر ناصر بن غیاث شاہ بن محمود شاہ الخلجی خلد ملکہ۔

جسے دراصل محاصرہ احمد نگر ۱۰۰۱ھ میں چاند بی بی نے مغل بادشاہ کے ایلچی کو پیش کیا تھا۔ اس مخطوطہ کی عجیب و غریب داستان ہے جس کا تعلق یہاں بیان کرنا مقصود نہیں ہے مگر یہ مخطوطہ ایران سے آیا جسے کاتب شاہ سوار نے وہاں ۹۰۸ھ میں نستعلیق طرز میں لکھا ہے اور ایران میں جب بادشاہان ہند کی علمی فیاضی کا چرچا برپا ہوا تو اس قسم کے بے شمار نمونے خود ان کے کاریگر لے کر آئے تھے۔

اس طرح ہم بے شمار مخطوطے پیش کر سکتے ہیں اور یہ ایک الگ موضوع ہے مگر ہمیں یہاں محض یہ پیش کرنا مقصود ہے کہ اس طرح ہزاروں اعلیٰ مخطوطے ایران و توران سے یہاں آئے جن کو بادشاہان مغلیہ نے محفوظ کیا اور یہ تمام مخطوطہ ایک طرح یہاں کے کاتبوں اور مصوروں کے لئے فیضان کا باعث ہوئے۔

ان کے مطالعہ سے اس وقت کے انتظام کتاب خانہ کا بھی علم ہوتا ہے۔

بعض گمنام خطاط، بعہد اکبر

ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی منتخب التواریخ کی تیسری جلد میں بعض امرائے عہد اکبری کا ذکر کیا جن میں سے مندرجہ ذیل اعلےٰ خطاط تھے۔

آتشی قندھاری جس کا انتقال لاہور میں ۹۷۳ھ میں ہوا، بیکسی غزنوی کے ذکر کے تحت لکھا ہے کہ ایک روز بادشاہ ہمایوں عفران پناہ طاق رواق میں سر منزل دارالسلطنت دہلی میں بیٹھا تھا کہ شیخ آذری نے مندرجہ ذیل مطلع خط لطافت میں لکھ کر پیش کیا تھا۔

شنیدہ ام کہ بریں طارم زراندود است خطی کہ عافیت کار جملہ محمود است

تفضلئے الہٰی سے جب اس نے دار فانی سے رحلت فرمائی تو اسے اسی جگہ دفن کیا گیا اور یہ قطعہ اس کی زبان سے املا کیا گیا۔

دریں کہ شاہ ہمایوں بوقت رحلت خویش نوشت بر در سر نغزلی کہ ساکن بود

خطی که عافیت کار جملہ محمود است — محسن عافیت خود اشارتی فرمود
چو شد بحکم قضا مدفنش ہماں منزل — که بود قبلہ حاجات و حاجات مقصود
بنا بریں پی تاریخ رحلتش گفتم! — بنانی منزل سلطان عاقبت محمود

میاں کمال الدین حسن شیرازی کے فضائل و کمالات علمی کے ضمن میں لکھا ہے کہ فضیلت سخنوری حسن خط و املا و انشا خود موروثی ہے۔ شیخ عبدالغنی بدایونی خلفائے شیخ عبدالعزیز تھے زیادہ تر عزلت میں رہتے تھے اور جامع اوراق کی کتابت کرتے تھے۔ ملا صالحی ہروی سلیقہ شعر و انشا میں مہارت رکھتا تھا مگر خط درست لکھتا تھا اور آخر وہ ہرات واپس چلا گیا تھا۔ طالعی یزدی بہت اعلیٰ شاعر تھا اور خوش خط نستعلیق نویس تھا آخر آگرہ میں صحافی کرتا تھا۔ فراری گیلانی ولد ملا عبدالرزاق اور برادر حقیقی حکیم ابوالفتح و حکیم ہمام تھا۔ وہ خط لکھنے میں شوقین تھا موزوں پسر شیخ پیر آگرہ تھا۔ خط کو ہفت قلم میں لکھتا تھا۔ محمد یوسف صاحب حسن کابل کا باشندہ تھا۔ خط میں اشرف خاں کا شاگرد تھا اس کا انتقال ۹۸۰ھ میں ہو گیا تھا۔

خط بعہد نور الدین جہانگیر بادشاہ

اکبر کی وفات ۱۰۱۴ھ میں ہوئی اور اس کا لڑکا نور الدین جہانگیر یعنی ابو المظفر نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد کی ابتداء بالخصوص خط کی سرپرستی سے ہی شروع ہوئی جبکہ سکوں اور مہروں پر مزید نہایت خوشنما نستعلیق خط میں موقعہ کے مطابق اشعار مع اسماء اور لقب بادشاہ کندہ کئے گئے جو آج تک نہیں بھولتے تھے اگرچہ اس میں جہانگیر کو زیادہ تر توجہ اس طرف بوجہ نور جہاں بھی ہوئی۔ شعر ملاحظہ ہو۔

شاہ چو خود زیں سکہ نورانی جہاں — آفتاب مملکت تاریخ آں!
بخط نور بر زر کلک تقدیر — رقم زد شاہ نور الدین جہانگیر

اور ساتھ ہی جہانگیر نے سریر آرائے سلطنت ہونے پر سب سے پہلے خواجہ شریف بن خواجہ عبدالصمد شیریں قلم کو امیر الامرا کا خطاب دے کر ایک خطاط کی سرپرستی کی اور ایک طرح اسے وزیر اعلیٰ کا مرتبہ عنایت کیا۔ یہ وہی شخص ہے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ اس کی زیر نگرانی بے شمار مخطوطے کاتبوں نے تیار کئے تھے اور وہ مہتمم خانہ تھا اس کے علاوہ وہ خود اعلیٰ کاتب اور سب سے بڑے کاتب کا لڑکا تھا اور اس عہد میں محمد حسین زریں قلم عبداللہ مشکیں قلم اور عبدالرحیم عنبریں قلم جنہوں نے دراصل اکبر کے تحت پرورش پائی تھی وہ بعہد جہانگیر دربار سے بھی اپنے اعلیٰ فن کی وجہ سے منسلک رہے اور انہوں نے

بے شمار کارنامے پیدا کئے اور امراء میں سے جہانگیر نے محمد شریف کو معتمد خان کا خطاب دیا جس کے متعلق یوں لکھا ہے

شریفہ بانوی مارفت و معتمد خان شد　　بدور شاہ جہانگیر خانی ارزاں شد

یہ شخص توزک لکھنے میں جہانگیر کا ہمیشہ معاون رہا بلکہ اکثر حصہ اسی کا لکھا ہوا ہے جسے جہانگیر نے خود بھی تسلیم کیا ہے۔ معتمد خاں کا خاندان بھی اعلیٰ خطاطوں کا خاندان تھا جس کی ایک الگ تاریخ ہے گرمندکرہ بالا قلعہ اور خسرو باغ الہ آباد میں جہاں عبداللہ مشکیں قلم نے کتبات لکھے تھے ایک اعلیٰ کاتب سلطان سرہندی کے لکھے ہوئے کتبات بھی ملتے ہیں مگر اس عہد جہانگیر میں ایک کاتب عبداللہ الحسینی کا ذکر الگ ملتا ہے جو زیادہ تر لاہور میں ہی محدود رہا اور میں نے اسی کے لکھے ہوئے اکثر کتبات اور وصلیاں دیکھی ہیں چنانچہ اتفاق سے لاہور میں لوہاری منڈی کے چوک میں بڑی مسجد خرابیاں کے نام سے مشہور ہے جو در اصل آج ایک قدیم مسجد کی جگہ پر کھڑی ہے جب ہم اس مسجد میں اس کے دروازہ کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جاتے ہیں تو سیڑھیوں میں ایک سرخ پتھر کی بڑی سل لگی ہوئی ہے جس پر کتبہ ذیل کندہ ہے۔

کریمی سید صدر جہانی ملجاء عالم　　کہ در عہد جہانگیر شدہ ایں لقعبہ را بانی

جلیل اسا بتوفیق خدا اندر عجم کردہ　　بناء خانہ ایں بہر ترویج مسلمانی

خوشا کعبہ دارد مسجد بہر تاریخش　　محن عیبم اگر گویم بنا شد گفتہ ثانی

کتبہ المذنب الفقیر عبداللہ الحسینی

اس کتبہ سے تاریخ بنا ۱۰۱۵ھ نکلتی ہے اور عہد جہانگیری کا دوسرا سال ہے مگر اس سے واضح ہے کہ اس مسجد کو میراں سید صدر جہاں پہانی نے بطور کعبہ تعمیر کیا تھا۔ میراں سید صدر جہاں اکبر کے عہد میں مفتی اعظم کے عہدہ پر فائز تھے تھے۔ آپ آخیر ایام عہد اکبر میں لاہور آ گئے تھے جہاں جہانگیر نے آپ کا بہت احترام کیا۔ تاریخ میں یہ تمام واقعات ملتے ہیں۔ بعض مقامی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا انتقال لاہور میں ہی ہوا تھا اور آپ کا مزار کہیں نواں کوٹ ملتان روڈ پر ہے۔ غرضیکہ عبداللہ الحسینی بہت بڑا کاتب عہد جہانگیر میں تھا اس کے بعض قطعات مرقع دارا شکوہ میں بھی ہیں۔

جہانگیر جب کشمیر گیا تو وہاں اس نے باغات کی تعمیر کا آغاز کیا تھا اور مشہور باغ شالامار اسی نے بنوایا تھا اور اس نے وہاں اعلیٰ خط میں چشمہ ویر ناگ پر کتبات کندہ کرائے جن میں سے اکثر آج بھی محفوظ ہیں اگرچہ ان پر کاتب کا نام تو

نہیں ہے مگر کتابت کا اعلیٰ نمونہ ضرور ہیں ۔ بذات خود جہانگیر اعلیٰ خطاطی کا دلدادہ تھا کہ اس نے میر علی ہروی متوفی ۹۵۱ھ کے لکھے ہوئے بے شمار نمونے جمع کئے تھے اور اپنے دربار کے مصوروں سے ان کے منقش حواشی کو بنوایا تھا جو آج بھی کافی تعداد میں دنیا کے بعض مجموعوں میں محفوظ ہیں ۔ اسی نے خاص کر عبدالرحیم عنبریں قلم کی بہت حوصلہ افزائی کی تھی ۔

لاہور میں اتفاق سے آج مقبرہ صاحب جمال بنت خواجہ حسن ملکہ جہانگیر بادشاہ موجود ہے ۔ افسوس اس مقبرہ کو آج انارکلی کا مقبرہ شمار کرتے ہیں ۔ صاحب جمال کا انتقال ۱۰۰۸ھ میں ہوا اور یہ موجودہ روضہ جہانگیر نے ۱۰۲۴ھ میں تعمیر کیا یہ تعویز سنگ مرمر کا ایک اعلیٰ نمونہ منبت کاری ہے اس پر آج اسماء الحسنیٰ باری تعالیٰ بھی اعلیٰ خط نستعلیق میں کندہ ہیں جس کی مختصر تفصیل یہ ہے ۔

مجنوں ۔ سلیم اکبر : آہ گر من باز بینم روی یار خویش را

دوسری طرف

تا قیامت شکر گویم کردگار خویش را ۱۰۰۸

اور ہر دو کناروں پر شمال و جنوب "اللہ اکبر" اور نیز مشہور ۱۰۲۴ھ لکھا ہے ۔

اس تاریخی روضہ کا پس منظر یہ ہے کہ بقول دارا شکوہ یہ روضہ لاہور میں باغ اناراں میں واقعہ تھا اور عوام میں اسی نسبت سے "انارکلی" کے نام سے مشہور ہوا اور بعد میں اسی نام سے یہ روضہ بنام "انارکلی" قرار پایا ۔ بدقسمتی سے لوگ تاریخ اور کتبات کا صحیح طور پر مطالعہ نہیں کرتے ۔

جہانگیر کی یہ شادی صاحب جمال سے ۹۹۵ھ میں کسی قدر اکبر کے ایما کے بغیر ہوئی تھی ۔ اس کے بطن سے شہزادہ پرویز تھا ۔ بیگم کا انتقال ۱۰۰۸ھ میں لاہور میں ہوا اور اس کے روضہ کی عمارت ۱۰۲۴ھ میں بعہد جہانگیر ہوئی تھی اور جہانگیر قبل بادشاہ ہونے کے سلیم کہلاتا تھا ۔ یہ سب امور مندرجہ بالا کتبات سے واضح ہیں اور نستعلیق خطاطی کے اعتبار سے یہ ایک بے مثل کارنامہ ہے اگرچہ یہاں کسی کاتب کا نام اس پر نہیں ہے ۔

اتفاق سے الہ آباد شہر میں باغ خسرو کی عمارت بہت مشہور ہے جس کے اندر شہزادہ خسرو کا اپنا عالی شان مقبرہ ہے اس کے ہمراہ دیگر عمارات بھی ہیں جن کے کتبات کا ذکر ہم نے میر عبداللہ مشکیں قلم کے ضمن میں کیا ہے ان میں ایک اور روضہ عام طور پر لیلیٰ بنت نور جہاں بیان کیا جاتا ہے اور نور جہاں کی یہ لڑکی دراصل اس کے پہلے خاوند شیر افگن سے

تھی اس کے گنبد کے اندر چاروں طرف ایک طویل نظم اعلیٰ خط نستعلیق میں کندہ کی ہوئی ہے جس کے اول و آخیر اشعار یہ ہیں۔

آہ افسوس اسما نرا سیرت پیدا شد　　آرے آرے کار چوں ظلم آمد داد شد

سلمی ارشد خونش فیض لائق باگو!　　صغہ جینت وجان پاک او باد شد

جسے کاتب "سلطان سرہندی" نے ۱۰۳۱ھ میں لکھا ہے یہاں اس باغ میں خسرو کی اپنی والدہ کا مقبرہ بھی ہے۔

میر عماد الحسینی

اس زمانہ میں ایران میں میر عماد الحسینی القزوینی عہد صفویہ کا بہترین کاتب طرز نستعلیق میں لکھنے والا شمار کیا جاتا تھا شاہ عباس صفوی کو اس پر ناز تھا اور اس کی خواہش تھی کہ عماد الحسینی کسی طرح شاہ نامہ فردوسی کو اپنے خط نستعلیق میں لکھ دے۔ یہ بہت مشہور تاریخی واقعہ ہے جسے مختلف طریق سے بھی بیان کیا جاتا ہے۔ ایک سال بعد کسی کو اس کے پاس ارسال کیا کہ اگر لکھا جا چکا ہے تو اسے مشاہدہ کے لئے پیش کیا جائے۔ وہ محمد حسین تبریزی کا تلمیذ تھا مگر عام طور پر وہ میر علی ہروی کی روش پر لکھتا تھا اس نے اصفہان میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

عماد الحسینی کے تلامذہ میں نورالدین لاہیجی۔ عبدالرشید دیلمی جو اس کا اپنا بھانجا اور داماد بھی تھا۔ میر ابراہیم۔ ابوتراب اصفہانی وعبدالجبار اصفہانی۔ محمد صالح خاتون آبادی۔ درویش عبدی بخارائی اور اس کی اپنی لڑکی گوہر شاد تھے وہ مذہب اہل سنت والجماعت تھا اگرچہ ایران میں عام شیعہ مذہب تھا۔ شاہ عباس کے عہد میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے تلامذہ نے اس کی تجہیز و تکفین کی اور اصفہان میں مسجد مقصود بیگ میں اسے دفن کیا گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ ۱۰۲۴ھ میں ہوا۔

میر عماد نے معاصرین میں علی رضا تبریزی مشہور خطاط تھا جو دو طرز نستعلیق و ثلث میں خوب لکھتا تھا جس کا ذکر "عالم آرائے عباسی" میں بھی شاہ عباس کے خطاطوں میں ملتا ہے۔ اسی وجہ سے اپنے نام کے ساتھ وہ عباسی بھی لکھتا تھا اس نے اصفہان کی مسجد لطف اللہ اور مسجد شاہ کے کتبات لکھے تھے جن پر اس کا نام "علی رضا عباسی" ملتا ہے۔ عام طور پر عماد کی شہادت کے ضمن میں علی رضا کا تعلق بیان کیا جاتا ہے۔ بعضوں نے اس میں مبالغہ سے کام لیا ہے جو ایک الگ

موضوع ہے ۔

چونکہ میر عماد کی شہرت بھی اور اس کا خط نستعلیق لکھنے میں بہت چرچا تھا بلکہ بعض لکھنے والے اسے بعض اوقات کئی وجوہات سے ہندوستان میں تصور کرتے تھے اور اس وقت طرز نستعلیق کو بہت مقبولیت حاصل تھی ویسے اس کے اکثر تلامذہ ادھر ادھر ایران سے ہجرت کر کے مقیم ہو گئے تھے اس لئے ہم نے متذکرہ بالا سطور میں اس کا مختصر ذکر کیا ہے اور ویسے سلسلہ خط اسلامی سے اس کا براہ راست تعلق دنیائے اسلام سے تھا۔

غرضکہ ایران سے میر عماد کے اکثر تلامذہ اس کی وفات کے بعد یہاں مغل دربار میں آ گئے تھے اور ان کی بہت عزت و تکریم ہوئی اور ان سے دربار سے مراعات بھی کی گئی تھیں ۔

چند کتابہ نویس بعہد مغلیہ

ہم نے متذکرہ بالا صفحات میں چند کتابہ نویسوں کا ذکر قبل عہد مغلیہ میں کیا ہے مگر عہد مغلیہ میں بھی بعض عمارتوں پہ اعلیٰ کتبات آج بھی موجود ہیں جن کے ہمراہ ان کے کاتبوں کے اسماء بھی ملتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ان کو بھی اسی طرح مختصر طور پر بیان کر دیا جائے ۔ اگرچہ عہد مغلیہ میں کتبات کو زیادہ تر سنگ مرمر پر کھود کر سیاہ پتھر سے پُر کر کے لکھا جاتا تھا اور ہم نے متذکرہ بالا بیان میں اکثر کتاب کے ضمن میں ان میں سے بعض کو شامل کر دیا ہے جیساکہ حضرت نظام الدین اولیاؒ دہلی کے بیان میں ذکر کیا ہے ۔ بہرحال بابر کی ابتدائی فتوحات میں اجودھیا کو عام طور پر بیان کیا جاتا ہے جو ہندوؤں کا ایک ہندو مقدس مقام آج بھی ہے وہاں اس نے فتح کے بعد فوراً مسجد تعمیر کی تھی جس پر مندرجہ ذیل کتبہ آج بھی اس کے نام کا موجود ہے ۔

بمنشای بابر خدیو جہاں   بشانیکہ با کاخ گردوں عیاں
بنا کردہ ایں خانہ پائیدار   امیر سعادت نشاں میر خاں
بماند ہمیشہ چنا بانیش   چنا شہر یار زمین و زماں

مسجد کے شرقی دروازے پر

بنائے ایں تاریخ میمون   کہ نہصد سی بود ہجرت بدانی

ہذا القطعہ التاریخ وصف مسجد بخط نحیف عبد ضعیف فتح اللہ غوری محرر

اگرچہ بعضوں نے کہا ہے کہ سال بنا ۹۲۳ھ ہونا چاہیئے نہ کہ ۹۲۰ھ جو یہاں درج ہے بہرحال کاتب کا نام موجود ہے۔

اس کے بعد عہد اکبر میں ہم یہاں نظام الدین اولیاء کے احاطہ سے مقبرۂ شمس الدین آتکہ خاں کے کتبات کو بیان کرتے ہیں جو تمام سنگ مرمر کی عمارت ہے۔ اس پر نہایت اعلیٰ خط ثلث۔ نسخ اور طغرانما طرروں میں کتبات کندہ ہیں جن کو دراصل "باقی محمد البخاری" نے لکھا ہے جس کا ذکر ان کی کتاب "مناقب ہنروراں" میں ملتا ہے۔ مگر اس مقبرہ کا معمار استاد خدا قلی تھا جیسا کہ یہاں شائع شدہ عکس کتبہ سے بھی واضح ہے مگر اسی مقبرہ کے فوراً بعد اسی طور پر دہلی میں شیخ الاسلام عبدالنبی کی مسجد تعمیر ہوئی تھی جو آج بھی تجدید شدہ صورت میں موجود ہے اس پر تعمیر مسجد کی تاریخ کے ضمن میں ایک نہایت اعلیٰ سنگ مرمر کی سل پر عربی اشعار میں کتبہ بصورت خط نسخ دہلی کے لال قلعہ کے عجائب گھر میں موجود ہے جس کا آخیر شعر یہ ہے ؎

سال تاریخ ایں بنا فیضی   سال العقل قال خیر بقاع

۹۸۳   کتبہ: نقشی

یعنی یہ مسجد ۹۸۳ھ میں تعمیر ہوئی اور کتبات کو "مولانا حسین دہلوی المشہور بنقشی" نے لکھا ہے جس کا انتقال وہاں ۹۸۵ھ میں ہوا تھا اور ان تاریخی اشعار کو فیضی ملک الشعراء نے کہا ہے۔

اس طرح ایک اور کتبہ بعہد جہانگیر عجائب گھر قلعہ دہلی میں موجود ہے جو تعمیر پل سلیم گڈھ بعہد جہانگیر ۱۰۳۱ھ موجود ہے

اللہ اکبر: شد بحکم شاہ نورالدین جہانگیر عظیم: سال و تاریخش مبارک دیں صراط المستقیم

یعنی یہ پل ۱۰۳۱ھ میں تعمیر ہوا اور اس کے کتبات کو کاتب شریف نے لکھا تھا جس کا نام وہاں موجود ہے۔ یہ شریف کاتب وہی ہے جس نے مسجد وزیر خاں کے ایوان کے ماتھے کا کتبہ لکھا تھا۔ اسی طرح دہلی کی جامع مسجد جسے شاہجہان نے ۱۰۶۰ھ میں بنوایا تھا اس کے ایوان کے ماتھے کے نو طاقوں کی کمانوں پر خط نسخ میں کتبات میں مسجد کی کیفیت درج ہے جن کو "نوراللہ بن احمد معمار" نے لکھا ہے اس کا نام وہاں محض "نوراللہ احمد" درج ہے۔ یہ شخص وہی مشہور احمد لاہوری استاد نادر العصر کا لڑکا ہے اس کے بڑے بھائی لطف اللہ مہندس نے مندرجہ ذیل اشعار میں اپنے تیسرے بھائی نوراللہ کا ذکر کیا ہے جو کاتب تھا اتفاق سے جناب مسلم ضیائی۔ کراچی کے کتب خانہ میں ایک مخطوطہ کے حاشیہ پر ایک تحریر علیم اللہ بن نوراللہ بن احمد کی قلم سے ہے اور مخطوطہ ۲۵ شہر ربیع الاول ۹۴۲ھ کا لکھا ہوا ہے۔ افسوس مخطوطہ کا نام وغیرہ واضح نہیں ہے۔ بہرحال نوراللہ اور اس کی اولاد فن کتابت میں مشہور تھی۔

ثالث آں ہر سہ برادر بسال آمدہ نوراللہ صاحب کمال

گنج ہنر آمدہ درشت او ہفت قلم راندہ سر انگشت او

اس کی تصدیق ملا طغرا نے بھی اپنے رسائل میں کی ہے۔

آگرہ میں بے شمار عمارتوں پر کتبات مختلف انواع طرز کتابت اسلامی میں ہیں۔ ہم نے ان صفحات میں شہاب المعائی اور عبدالحق شیرازی یعنی امانت خاں شیرازی کا ذکر کیا ہے جس نے مقبرہ اکبر اور تاج محل کے کتبات لکھے اسی طرح ہم نے معصوم بھکری کا بھی ذکر کیا ہے مگر "عبدالنبی قریشی" نے اعتماد الدولہ کے روضہ کے کتبات کو خط ثلث و نسخ طرزوں میں ۱۰۲۸ھ میں لکھے تھے ان میں سے اول شعر اور آخر شعر ملاحظہ ہو۔

عجب روضہ رشک خلد بریں کہ خاتم بود باغ وایں چو نگیں

زگلہائے گلگو ہمہ باغ پُر صدف باغ شد روضہ اش ہمچو دُر

آگرہ میں لب دریا ایک دلکشا حویلی محمد قاسم خاں بدخشی کی تھی یہ عہد ہمایوں کے امرا میں سے تھے۔ ان کی قبر کا ایک کتبہ آج وہاں آگرہ میں روضہ تاج محل کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے۔ ان کا انتقال ۹۷۹ھ میں ہوا جس کا آخیر شعر ملاحظہ ہو:۔

خدا او را بحفظ خویش دارد بحق کرمان جلوہ خاص

تمامہ سعداللہ کتبہ عرب محمد بخاری

آگرہ میں میر عبداللہ مشکیں قلم وصفی کی اپنی اور ان کے خاندان کی قبور ہیں جن میں میر محمد صالح کشفی۔ میر محمد مومن اور میر محمد شریف۔ میر عبداللہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں مگر ان میں غالباً میر محمد شریف وہ کاتب ہے جس کا ذکر ہم نے اوپر پل کے کتبہ کے ضمن میں کیا ہے اور اسی نے لاہور میں مسجد وزیر خاں کے ایوان کے ماتھے پر آیۃ الکرسی کو بہترین خط ثلث میں لکھا تھا اور اس کا انتقال یہاں ۱۰۵۴ھ میں ہوا۔ اس کو کاتب سلطان" کا خطاب بھی تھا۔ آگرہ میں مسجد و تالاب اعتباری خاں خواجہ سرا کے نام پر کٹرہ اعتباری خاں نائی منڈی میں چھوٹی مسجد کے قریب ہے اور اس نام سے آگرہ میں

بعض دوسری عمارتیں بھی ہیں مسجد کی محرابوں پر کتبات نستعلیق طرز میں ہیں جن کے اول اور آخیر شعر یہ ہے۔

اعتباری خاں کہ ہست عالی جاہ   از طفیل حضرت ظل الہ

خاں محرم ہست از سر ناظراں   محسن الخلق است در اہل زماں

قائلہ و راقمہ ولی ابن آدم سنہ ۱۰۱۵ھ

آگرہ میں مزار حضرت ابو الفتاح آگرہ کے وسیع قبرستان میں ہے اس مزار پر کاتب "عبد الہادی" نے کتبات خط نسخ میں سنہ ۹۷۸ھ میں لکھے تھے۔

فتح پور سیکری کو عہد اکبر میں دار الخلافہ کا شرف حاصل رہا اور وہ شاندار عمارتیں تعمیر ہوئیں کہ آج ان کا بہت بڑا حصہ تاریخ فن تعمیر بعہد اسلام شمار ہوتا ہے خاص کر یہاں کی جمعہ مسجد کا جنوبی بلند دروازہ ایک خاص شان کا مالک ہے، جسے ہزاروں زائرین دور دراز ملکوں سے دیکھنے آتے ہیں اور یہاں ہر عمارت پر اعلیٰ الخطاطی کی کئی طرزوں میں کتبات کندہ ہیں مگر ہم ذیل میں چند کا ذکر کرتے ہیں جن کے ہمراہ ان کے کاتبوں کے اسما بھی درج ہیں مگر ہر آدمی یہاں آنے والا اول اول مسجد و بلند دروازہ تک رسائی حاصل کرتا ہے اور مسجد میں داخل ہو کر یہاں کی عمارتوں کی زیارت کرتا ہے یعنی بلند دروازہ تک معصوم بھکری کے کتبات ہیں مگر خط نسخ میں مسجد کے پیش طاق کی پیشانی پر جو کتبہ آیت قرآنی "و سیحق الذین الخ" اسے کاتب حسین احمد چشتی نے لکھا ہے یعنی یہ بزرگ دراصل حضرت سلیم چشتی کے خلیفہ "خواجہ حسین چشتی" تھے۔

ایک اور مندرجہ ذیل اہم کتبہ اسی حسین احمد چشتی کا روضہ پر موجود ہے۔

شکر کہ در روضہ حضرت غوث الانام   ابی پی تعمیر خاں فلک احتشام
مہر نسب اشرف اوج شرف اشباب   سید عالی نسب مہ ملک احترام
بانی از ہاشمی ساعی او رہا شمی   آنکہ بدوراں شاہ سخن را نظام
از پی تاریخ آن متفکر شد   کلک خرد زو رقم قبلہ گہ خاص و عام
روی بدرگاہ او از فریدوں بصدق   شاہانہ الطاف سرکار تو گردد تمام

کاتبہ حسین احمد چشتی

تاریخ بنانے او جانے دچہ خوش جائے۔ ۹۴۸ھ

یعنی حسین احمد چشتی اس زمانہ میں فتح پور میں بہت بڑا کاتب اور نساخ تھا۔

اسی طرح فتح پور میں وہاں ایک مسجد قدیم یا مسجد سنگ تراشاں کہلاتی ہے جسے حضرت سلیم چشتی نے حج سے واپسی پر ۹۷۱ھ میں تعمیر کرایا تھا اس کے کتبات کو کسی "عجائب ابن نور اللہ" نے لکھا ہے۔ مولانا سعید مارہروی نے محل مریم الزمانی بیگم کے تحت لکھا ہے: برآمدہ کی چھت کے اردگرد ہر جگہ عمدہ نقش و نگار تھے جن کے درمیان میں ملک الشعراُ فیضی کے وہ اشعار جو خاص اس عمارت کی تعریف میں موزوں کئے گئے تھے۔ زریں قلم محمد حسین کشمیری، مولانا باقر، محمد امین مشہدی۔ مولانا عبدالحئی۔ میر عبداللہ نظامی مشہور خوش نویسان عہد اکبری نے نہایت نفاست سے لکھے تھے افسوس کہ اب یہ سبھی اشعار باقی نہیں رہے "وہاں دیوان عام کی شمالی دیوار سے ملی ہوئی " حمام محمد باقر" کی عمارت ہے جس پر یہ عبارت کندہ ہے۔

باتش خانہ بندہ درگاہ محمد باقر سفرچی

یہ عہد اکبری میں سہ صدی مرتبہ پر سرفراز تھے۔ ہم ان متذکرہ بالا سطور میں چند کتابہ نویسوں کا ذکر کیا ہے۔ جن کے نام ملتے ہیں

خط بعہد شاہ جہاں

عہد شاہ جہاں ہماری تاریخ و ثقافت کے ضمن میں بہت ہی اہم ہے کیونکہ اسی زمانہ میں فن تعمیر کا مشہور عالم شاہکار "تاج محل" آگرہ، ۱۰۵۰ء میں جمنا کے کنارے تعمیر ہو کر پایہ تکمیل کو پہنچا تھا۔ جو دراصل بادشاہ کی اپنی چہیتی ملکہ ممتاز محل کا مقبرہ تھا جس کا انتقال ۱۰۴۰ھ میں برہانپور میں ہوا تھا اور اس پر جو آیات قرآنی خط ثلث بصورت کتبات پرچیں کاری میں لکھی گئی ہیں دنیا آج اس کا جواب پیش کرنے سے قاصر ہے یہ مظاہرہ اعلیٰ خطاطی پتھر پر ہے۔ ہم نے یہاں خط عہد اکبر اور جہانگیر کے مندرجہ بالا بیان میں کتبات روضہ اکبر کے کتبات کے کاتب "امانت خاں شیرازی" کا ذکر کر دیا ہے کہ اس نے کس طرح اس فن میں معززانہ طور پر ترقی کر کے کیا انعام حاصل کیا اور کس طرح بادشاہ نے اسے اعزاز سے سرفراز فرمایا تھا۔ جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔

شاہ جہاں کے عہد میں حکیم رکنا کاشی ایران سے آکر دربار سے بحیثیت اعلیٰ کاتب منسلک ہوگیا تھا اس کا لکھا ہوا مخطوطہ گلستان سعدی مسٹر چیسٹر بیٹی کے مجموعہ انگلینڈ میں محفوظ ہے جسے راقم نے خوب دیکھا ہے۔ اس کا ترقیمہ ملاحظہ ہو۔

"بتاریخ شہر جمید الاول سال ہزار وسی وہشت در دار الخلافہ اگرہ
محسن الافات بدستیاری قلم کمترین وزارت عالم حکیم رکن الدین مسعود مشہور
بحکیم رکنا تمت اختتام پذیرفت اب ارحم الکاتبہ بحق محمد علیہ افضل الصلوات
آمین یارب العالمین تمت بالخیر المعاوہ۔

اسی طرح ایک مصوّر نسخہ بوستان "ظفری" برٹش میوزیم لنڈن میں ہے جو اس کے بعد ۲۹ر ربیع الاول ۱۰۳۹ھ میں حکیم رکنا نے لکھا ہے اور اس ترقیمہ متذکرہ بالا ترقیمہ گلستان کے مطابق ہے اس لئے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں مگر اس مندرجہ نسخہ گلستان کو شاہ جہاں کی طرف سے بطور تحفہ بخدمت بادشاہ انگلستان ۱۰۴۸ھ ارسال کیا گیا تھا جیساکہ ایک اور تحریر سے واضح ہے حکیم رکنا کا ذکر عمل صالح مولفہ محمد صالح کمبو میں بھی ملتا ہے وہ شاعر بھی تھا اور مسیح تخلص کرتا تھا آپ کو ملکہ ممتاز الزمانی کی سفارش پر بروز جمعہ سلخ ربیع الاوّل ۱۰۴۰ھ کو پانچ ہزار روپیہ نوازش فرماکر آپ کی التماس کے مطابق مشہد مقدس روانہ کیا گیا تھا۔

لاہور میں ایک نمائش خطاطی کے موقع پر ایک قطعہ مندرجہ ذیل از مجموعہ فقیر خانہ لاہور دیکھنے کا اتفاق ہوا۔

الکاتب الضعیف

آبی کہ گل تو نسبت زیں تو وہ گل
بجر تو از خمیر جاں شد و دل
خاقان فتد از بیروں نام تو بہر ننگ
دارا شود از یاد شکوہ خجل

بندہ قدیم حکیم

"سال ہزار و چہل در اکبرآباد مشق شد"

اس قطعہ سے تاریخی طور پر ہم شاہ جہاں کا زمانہ تصور کرتے ہیں اور اس میں دارا شکوہ کو ایک طرح سنہ ۱۰۴۰ھ میں خطاب کیا گیا ہے اور تاریخی طور پر یہ وہ زمانہ ہے کہ جب ملکہ ممتاز الزمانی کا تازہ تازہ حادثہ وفات ہوا تھا اور سلطنت کے امور میں کسی قدر اس واقعہ کو بھی دخل تھا اور یہ قطعہ دراصل کسی کاتب بنام یا تخلص حکیم نے اکبرآباد میں خطاب کیا ہے اور معنی کے اعتبار سے اس میں ندرت ضرور ہے۔

"تذکرہ خطاطین" مولفہ لسان الملک ہدایت اللہ میں ملتا ہے کہ حکیم بن شمس کاتب ایران میں شاہ عباس کے دربار سے منسلک تھا مگر شاہ عباس نے اسے اخراج کر دیا تھا اور وہ وہاں سے کاشان گیا جب قسمت نے یاوری وہاں نہ کی تو وہ کاشان سے سیدھا ہندوستان آ کر مغل دربار سے منسلک ہو گیا یہ زمانہ بادشاہ جہانگیر کا تھا۔ یعنی وہ یہاں سنہ ۱۰۳۰ھ میں آیا اور یہیں رہا۔

غرضکہ شعرا اور فن کار اس طرح بھی اپنے مربیوں کو خطاب کیا کرتے تھے۔

عبدالجلیل

محمد صالح کمبوہ نے عمل صالح میں ابوالبرکات منیر لاہوری متوفی سنہ ۱۰۵۵ھ کے تحت لکھا ہے کہ اس کا والد عبدالجلیل ابن حافظ ابو اسحاق لاہوری اپنے عہد کا مشہور خطاط اور نستعلیق طرز میں لکھتا تھا۔ جلال الدین اکبر بادشاہ کے درباری خوشنویسوں کے زمرے میں ملازم تھے۔ اکبرنامہ کے مسودات انہی بزرگ نے ابوالفضل کے سامنے بیٹھ کر سب سے پیشتر تحریر کئے ہیں۔ آخری عمر میں اپنے وطن لاہور آ کر خانہ نشین بن گئے۔ ان کو قدیم اساتذہ کے مشکل اشعار کے حل کرنے اور ان کے معنی بیان کرنے کا بہت شوق تھا۔ ابوالبرکات منیر کے سوا ان کے دو اور فرزند تھے۔ ایک ابوالفیض جن کا تخلص فیض تھا اور دوستوں میں حسب رسم عصری فیضا کے نام سے مشہور تھے۔ ایک دیوان یادگار چھوڑا خط نستعلیق نہایت پاکیزہ لکھتے تھے اور اعلیٰ پایہ کے شعر کا فہم رکھتے تھے۔ تمام عمر لاہور میں رہے۔ ارباب دول سے مطلق سروکار نہ تھا نہ کسی کی ملازمت کی درویشانہ وضع اور گوشہ قناعت میں زندگی گذار دی۔ سنہ ۱۰۶۰ھ میں اسی دار فانی سے لاہور میں رحلت کی۔ دوسرے ابوالفتح ان کا تخلص ضمیر تھا۔ مشکل قافیوں اور سنگلاخ زمینوں میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ آغاز شباب میں بنگالہ گئے اور اپنے بڑے بھائی منیر کے ساتھ رہے بعد میں بھائی سے ناراض ہو کر غالباً شہزادہ شجاع کے ملازمین

میں داخل ہو گئے۔ضمیر نے بنگالہ میں وفات پائی۔غرضکہ ابوالبرکات منیر لاہوری کا خاندان مشہور خطاطوں کا خاندان تھا۔ جو لاہور سے متعلق تھا ویسے منیر نے بھی بنگال کی صفت میں ایک مثنوی لکھی ہے جب وہ وہاں تھا جو طبع ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ منیر نے خود بھی اپنی کتاب انشا میں کتابت کے ضمن میں اس نے اپنی انشا میں مکتوب چہل و ششم میں اس نے قلم وسیاہی اور خط نستعلیق فن سے متعلق لکھا ہے۔

اسی طرح دیگر کتب بھی ہیں جن میں ضمناً خطاطی پر بہت کچھ لکھا گیا ہے یعنی اس کی صفت اور حروف کی بندش پر اس کی صفات کے تحت لکھا ہے۔ مصنفین نے بر سبیل تذکرہ اپنے زمانہ کے بعض اعلیٰ کاتبوں کا بھی ذکر کیا ہے اور اور انشاء طاہر وحید میں ہمیں رسم الخط و خط شکستہ۔ و دیباچہ رسم الخط قرآن پر مفصل ملتا ہے۔ ہم یہاں ذیل میں ان کتب سے اقتباس بھی پیش کر رہے ہیں۔

عبدالرشید دیلمی شاہجہان کے دربار میں

میر عماد کا بھانجا عبدالرشید دیلمی میر عماد کی شہادت کے بعد تین ماہ تک گھر سے باہر نہیں نکلا تھا اور وہیں کاغذ سمرقندی کو اپنی مشق سے سیاہ کرتا رہا جو قریب پانچ سو اوراق شمار کئے جاتے ہیں مگر اس نے حالات سے مزید پریشان ہو کر ہندوستان کا راستہ اختیار کیا جبکہ اس کے پاس بدن ڈھانپنے کو کپڑا بھی نہیں تھا اول وہ لاہور پہنچا جہاں اس نے کچھ روز قیام کیا اور اس اثنا میں اس کو اکثر تلامذہ بھی یہاں میسر آ گئے تھے مگر کچھ عرصہ بعد وہ لاہور سے سیدھا آگرہ پہنچا اور اس وقت شاہ جہان بادشاہ تخت پر متمکن ہو چکا تھا جس کے دربار تک رشید دیلمی کی رسائی کی بہت دلچسپ داستان ہے اگرچہ اسے مختلف طریقوں سے بیان بھی کیا جاتا ہے۔

رشید دیلمی نے آگرہ پہنچ کر کسی طرح بادشاہ شاہ جہاں کی خدمت اقدس میں مندرجہ ذیل عرضداشت پیش کی جو مختلف الفاظ میں ملتی ہے۔

"خلیفۃ الرحمانی صاحب قران ثانی

عرضداشت بندہ فدوی عبدالرشید

١؎ رسالہ صحیفہ ۲۴؍۔ ۱۹۶۸ء ص۱۸۱ مضمون منیر لاہوری۔ از ڈاکٹر ناظر حسن زیدی۔ اورنٹیل کالج میگزین مئی ۱۹۲۷ء۔ اور نومبر ۱۹۲۶ء میں مضمون پروفیسر شیرانی بعنوان مولانا ابوالبرکات منیر لاہور۔

سجدات عبودیت تبقدیم رسانیده۔ بغرض حجاب بارگاه عرش اشتباه برساند که دفاهیت سلسله میر عماد در ولایت قزلباش میسر نیست چنانچه اکثر از خویشاں و همشیر زاد ہائے میر، در سلک روم توطن اختیار نموده اند۔

(۱) ازیں جهت تیز روی امید درگاه خلائق پناه آورده و بعنایت ایزدی ایں سعادت نصیب بنده شد، که مدت بست و سه سال بخاکروبی ایں استان سعادت نشاں سرفرازی داشت۔ دریں ایام غیبت، بیماری ہائے متعدد مزاج را ضعیف نموده از خجالت تقصیر خدمت ملاحظه می نماید۔ اگر رضا خاطر مقدس بوده باشد در سایه عدالت حضرت در لاهور یا اکبر آباد هر جا که حضرت حکم کند گوشه گرفته با خانه زادان حضرت بدعاگوئی دولت ابد قرین مشغول باشد و سایه آں کعبه حاجات بر سر بنده ہا گسترده باد۔"

یہی درخواست مندرجہ ذیل الفاظ میں بھی ملتی ہے۔

الله اکبر

الٰہی — خلیفة الرحمن صاحب قران ثانی

عرضداشت

بنده قدوی — عبدالرشید الدیلمی

بخدمت عبودیت از روئے صدق نیست تبقدیم رسانید بغرض حجاب بارگاه اشتباه میرساند که چوں ذات مقدس بندگان اعلیٰحضرت سلیمان رحمت الاہست۔

(۲) و هیچ بنده از بنده ہا بکمال تقصیر دار رحمت نماند نیست۔ بنابریں انکه عنایت فطرت نموده معرض دارد که جمع را ایں بنده باخلاص بجبهة سرانجام خدمات باشد داری داز و التماس می نماید که حقیقت جاگیر بنده عرض مقدمی

کہ می رسد۔ بعدازاں ہر حکمہ دریں بندہ شود یقین کہ محض رفاہیت بندہ فوائد بود سایہ ایں کعبہ حاجات ہموار بر سید بندھا گسترزہ باد۔

اس عرضداشت کے ہمراہ قطعہ مندرجہ ذیل بھی تھا۔

قطعہ

آیا نجستہ خصالے کہ ساکنان فلک   بر آستان تو دارند میل دربانی
چہ حاجت ست کہ گویم حال خستہ خود   کہ حال خستہ دلاں را تو خوب میدانی

بیان کیا جاتا ہے کہ شاہجہان بادشاہ بہت خوش ہوا، مواجب یک ہزار و پنج صد روپیہ ماہوار مقرر فرمائے، اسے تشفی اور تسکین بھی دی۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل تحریر بطور شکریہ بادشاہ شاہجہان بھی ملتی ہے جو قرآنی آیات سے بامعنی طور پر زیادہ مرصع ہے۔ اس میں پچاس ہزار سال قرآن کے الفاظ (۴/۷۰) سے ہم ۱۰۵۰ھ تعبیر کرتے ہیں اور اسی سال میں میرے نزدیک رشید دیلمی شاہجہان کے دربار سے منسلک ہوا، اس تحریر میں رشید کی اپنی ذاتی اعلیٰ قابلیت انشا کی جھلک بھی ہے۔ ہم یہاں اس کا عکس بھی پیش کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وکیل امور الٰہی و برگزیدہ حضرت پادشاہی برساند از مواہب نعم لامتناہی از خزانہ مثل الذین ینفقون اموالهم فی سبیل اللہ در وجہ من جاء بالحسنة فلہ عشر امثالها بحکم ما عندکم ینفد وما عند اللہ باق از معاملہ من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسناً بقول ان احسنتم احسنتم لانفسکم تسلیم مسائل واما السائل فلا تنهر تا بوقت محاسبہ حساباً یسیرا در دیوان ضمن یعمل مثقال ذرة خیرا یرہ در تاریخ یوماً کان مقدارہ خمسین الف سنة تا در روز یوم لا ینفع مال و لا بنون مجری کردد۔ حررہ   عبدالرشید

اس کا مختصر ترجمہ یہ ہے۔

وکیل امور الٰہی اور برگزیدہ وحضرت بادشاہی تک پہنچا دیا جائے۔ خزانہ سے لامتناہی نذرانہ نعمت دنیا ان لوگوں کی مثال ہے جو اپنے مالوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اس وجہ سے جو کوئی نیکی کرتا ہے اس کی مثال اس کے لئے دس نیکیاں اللہ کے ہاں ہیں یعنی اللہ کو قرض حسنہ دینا اس لئے کہ تو نے نیکی کی کیونکہ قرآن میں آیا ہے کہ سائل کو مت درکارو تاکہ حساب کرنے میں آسانی ہو اور نیکی کرنے والا اس کار خیر کا ذرہ ذرہ بتاریخ ایک روز جس کا اندازہ پچاس ہزار سال ہے اس روز تک جبکہ نہ مال اور نہ اولاد کو فائدہ دیں گے۔ تحریر۔ عبدالرشید

اس تحریر میں میرے نزدیک جو پچاس ہزار سال کا اشارہ ہے وہ ایک طرح تجنیس خطی ہے اگر ہم ذرا سی تبدیلی سے پچاس ہزار سال کو ۱۰۵۰ھ تصور کرلیں جب رشید دیلمی کو دربار شاہجہانی سے یہ انعام ملا تھا اور باقاعدہ وہ دربار شاہجہانی سے ۱۰۵۰ھ میں منسلک ہو گیا تھا۔ یہ محض ایک میرا قیاس ہے کیونکہ متذکرہ بالا عرضداشت کے مطابق وہ ۳۳ سال سرگرداں رہا۔ میر عماد کی وفات (۱۰۲۴ھ) کے بعد وہ اصفہان سے نکلا اس لئے قیاساً ۱۰۵۰ھ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

عام طور پر لکھا ہے کہ عبدالرشید دیلمی اول شہزادہ داراشکوہ کے اتالیق مقرر ہوئے اور ان کے ذمہ خدمات بیوتات لاہور و اکبر آگرہ بھی تھی مگر اس کے تلامذہ جو اسے اکبر آباد میں میسر آئے یعنی علاوہ شہزادگان و شہزادیاں تھیں جن میں داراشکوہ، شہزادی جہاں آرا بیگم اور زیب النساء بھی عام طور پر بیان کی جاتی ہیں مگر دیگر شاگردوں میں سعیدائے اشرف ماژندرانی۔ عبدالرحمٰن۔ میر حاجی وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔

اتفاق سے میرے ہاں ایک قلمی تاریخی مسودہ میں ایک فرمان ہے جسے شہزادی جہاں آرا بنت شاہجہاں نے جاری کیا ہے اس سے واضح ہے کہ عبدالرشید دیلمی کو لاہور۔ شاہجہان آباد اور اکبر آباد آگرہ میں حویلیاں مرمت ہوئی تھیں ہم ذیل میں اس فرمان کے متن کو پیش کرتے ہیں۔

فرمان قضا جریاں حریم وقت رابعہ عصر جہاں آرا بیگم بنت شاہجہاں بادشاہ

کہ بدستخط خاص با آقا عبدالرشید تحریر کشید، مرقوم قلم اختصاص میگردد۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرافت مآب لائق عنایت واحسان قابل مرحمت بیکراں آقا عبدالرشید بعنایت والتفات علیہ العالیہ سرفراز گشتہ بداند۔

عرض داشتے کہ درینولا ارسال داشتہ بود رسید آنچہ در باب ہر سہ حویلی خود کہ در اکبرو شاہجہاں آباد دار السلطنت لاہور دارد۔ مفروض استدعای فرمان عالی شان قضا جریاں نمودہ بود معلوم شد مضمون معروضہ آں لائق العنایت بعرض مقدس معلی رسانیدہ باشد از رہ گزر فضل وکرم بموجب التماس او بدرجہ پذیرائی یافت۔ فرمان قضا جریان قدر توامان فرستادہ شد خواہد رسید۔ خدا جمیلۃ الملکی را خیر دہد۔ کہ فرمان عالیشان را عوائق مطالب نوشتہ است توجہ ما را شامل حال خود داند بتاریخ شہر ربیع الاول سنہ قلمی شد۔"

تاریخ عہد شاہجہاں "عمل صالح" میں ملتا ہے کہ رشید دیلمی کو ۱۰۵۸ھ میں عبدالرحمٰن اور دیانت رائے کی جگہ ان کو تبدیل کر کے مہتمم کتاب خانہ مقرر کیا گیا۔ محض اتفاق سے استنبول کے مشہور سرکاری کتاب خانہ ٹوپ کپو سرائے میں ایک مخطوطہ دیوان بعنوان "دیوان حسینی" سلطان حسین مرزا بائقرا کا ہے جو کبھی اتفاق سے مغل بادشاہوں کے کتب خانہ کی زینت تھا اس پر اتفاق ہے۔ اسی سال ۱۰۵۸ھ ہی کی ایک مہر عبدالرشید دیلمی کی موجود ہے اس کے ساتھ ایک نوٹ ہے جس سے واضح ہے کہ یہ کتاب ۲۹ شوال ۲۲ جلوس شاہجہانی یعنی ۱۰۵۸ھ کو خواجہ نعمت کی تحویل میں دی گئی اور گول مہر میں لکھا ہے جس کا عکس ہم یہاں پیش کر رہے ہیں۔

بندہ شاہجہاں عبدالرشید الدیلمی

اور عمل صالح میں رشید دیلمی کا ذکر طبقہ خوش نویساں عہد شاہجہاں میں "محمد مراد شیریں قلم" کے بعد یوں ملتا ہے۔

"شاگرد رشید" میر عماد است و مورد فیض خدا داد دوات چینی نسبتش نافہ آہوان ختن و کلک سحر پردازش واسطہ آرائش سخن بحسن خط و خوبی کلام و

نیکوئی طبع مشہور آفاق است و دوائر و مدات حروفش چوں چشم و ابروی
خوبان در نیکوئی طرق ۔

ان مختصر الفاظ سے رشید دیلمی کی حیثیت اعلیٰ کاتب خوب واضح ہو جاتی ہے اور اس کے علاوہ امرائے عہدِ شاہجہاں میں اسے "خوش نویس دہ مدی و پنجاہ سوار" لکھا ہے ۔ وہ میرے نزدیک ۱۰۵۰ھ میں شاہ جہان کے دربار میں آیا جیسا کہ اوپر بیان کیا ہے اور اس کی وفات بعہد اورنگ زیب عالمگیر آگرہ میں ۱۰۸۱ھ میں ہوئی ۔

اگر ہم صحیح طور پر آقائے رشید دیلمی کے فنی کارناموں کا جائزہ لیں تو ہمیں یہ بھی مدنظر رکھنا ہوگا کہ اس کے ایران کے قیام کے بعض نمونے بھی ہمیں میسر ہیں مگر ہمیں یہ نہیں ملتا کہ آخر اس نے کیا کیا لکھا ہے بہر حال ہم ایک مختصر سا جائزہ اس کے چند فنی کارناموں کا ضرور مدنظر رکھتے ہیں ۔

کچھ عرصہ ہوا اورنٹیل کالج میگزین میں ایک نمونہ شائع ہوا تھا جو بادشاہ کی بخشش سے متعلق قطعہ تھا اور یہ آگرہ میں اس نے ۱۰۶۴ھ میں لکھا تھا اور اسی طرح ڈاکٹر مہدی بیانی نے بیان کیا ہے کہ اس کے وہ نمونے بھی ملتے ہیں جو اس نے اصفہان میں شاہ جہان کے دربار میں آنے سے پیشتر لکھے تھے ۔ میں نے خود اکثر نمونے یورپ اور امریکہ کے مجموعوں میں دیکھے ہیں ۔ بہر حال ہم یہاں اس کا ایک خاص نمونہ وصلی "نادِ علی" مشہور شیعہ عقائد کے مطابق حیدرآباد دکن کے مجموعہ مہاراجہ کرشن پرشاد سے یہاں شائع کرتے ہیں ۔ غرضیکہ ان پر ایک نظر کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کاتبوں نے نہایت عمدگی سے عبارت کو بھی نستعلیق میں لکھا ہے ۔

نہایت محققانہ طور پر یہ ہمیں ماننا پڑے گا کہ آقا عبدالرشید دیلمی نے تاریخ خط اسلامی شاہ جہاں کے دربار میں ایک خاص مقام پیدا کیا تھا اس کے نمونوں میں حروف میں ایک خاص کشش اور بندش بلکہ سب سے بڑھ کر اس کے لکھے ہوئے حروف کے گھیرے و کششیں خاص امتیاز رکھتے ہیں جو لوگ اس کی روش پر لکھتے ہیں ان کو اس تقلید کی نسبت بھی دی جاتی تھی ۔

ہم نے اوپر میر عبداللہ مشکیں قلم کا ذکر بعہد اکبر بیان کیا ہے کہ آپ کے دولڑکے میر محمد صالح اور میر محمد مومن بھی کاتب تھے چنانچہ ہر دو عہد شاہجہانی میں دربار سے منسلک رہے اور دونوں نستعلیق لکھنے میں ماہر تھے اور دونوں مصنف تھے کیونکہ میر محمد صالح کی کتاب مناقب مصطفوی خوب مشہور ہے اس کا انتقال ۱۰۶۱ھ میں ہوا اور میر محمد مومن کا انتقال ۱۰۹۱ھ

میں ہوا۔ اول کی تاریخ وفات "میر صالح برفت از عالم" سے نکلتی ہے۔ دونوں بہت بڑے کاتب تھے اور دونوں فریضۂ کتاب داری پر معمور تھے۔ اکثر مخطوطوں پر ان کے دستخط اور تحریریں و مہریں ملتی ہیں اور انہوں نے کتابت میں میر علی ہروی کی روش کو اختیار کیا تھا۔

شاہ جہاں کے عہد میں اکثر نمونے خطاطی کے محمد مراد کشمیری کے بھی ملتے ہیں مگر یہ شخص دراصل عہد جہانگیر میں مغل دربار میں آگیا تھا اور نستعلیق لکھنے میں بہت ماہر تھا اور اس کے خط میں ایک خاص پختگی پائی جاتی ہے۔ اسی عہد میں ایک شخص میر محمد شریف ہمشیرہ زاد میر عبداللہ مشکیں قلم نستعلیق لکھنے میں ماہر تھا۔ اس کا انتقال ۱۰۵۴ھ میں ہوا تھا۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مغل دربار سے جو فن کار اور ماہرین فن وابستہ تھے وہ بہت بڑے کردار اور اعلیٰ مرتبہ کے لوگ تھے چنانچہ عہد شاہجہان میں مولانا منیر لاہوری جن کو عام طور پر مولانا ابوالبرکات منیر لاہوری کے عنوان سے لکھا جاتا ہے جس کا ذکر ہم نے پہلے بھی کیا ہے وہ اعلیٰ شعر وسخن میں یکتائے روزگار تھا مگر اصلی طور پر یہ خطاطوں کے عظیم الشان خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا آگرہ میں ۱۰۵۵ھ میں انتقال ہوا مگر آپ کو اپنے وطن مالوف لاہور میں دفن کیا گیا تھا۔ منیر کے علمی کارناموں میں "انشائے منیر" بھی مطبوعہ میسّر ہے جس پر ایک نظر کرنے سے اس کی تحریر سے واضح ہے کہ وہ بذات خود بھی خطاطی کے علم سے بخوبی واقف تھا اور اکثر مصطلحات خطاطی اور علم خوش نویسی سے اپنی مزاولت کو ظاہر کرتا ہے چنانچہ مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ ہو۔

رباعی:-
ای از قلمت نور تجلی زده سر — وی از خط خورشید خطت بردش تر
کشتہ بتماشائے خط روشن تو — چشم آیت نور و متر بازید و زبر

چوں دریغا یک قلم سیاہی خوب بہم نمی رسد و بسیاری بر قلم رائیل رسوائی
بر پیشانی کشیدن جہل مرکب ست ناچار ازاں شناسائے را از سپیدی و سیاہی
کہ کاغذ پیش او سفید نتواں کرد ید و قلم برائے او چشم سیاہ تواند شد التماس
نمودہ می آید کہ ازیں رہگذر دوات و بخدمت گرامی فرستادہ شد امید کہ درون
آں چینی نژاد کہ از لیقہ بیرون نافہ می نماند بسیاہی آہو مشک آگیں سازند

دیگر آنکہ چوں دریں ایام پسر خواندہ ایں شکستہ بتقضائے سرنوشت کاغذ دار درہند خطا افتادہ است وقلم کہ دار سر بر خط مشق نہادہ محقق ست کہ تا سر مشق مد نظر نباشد خط از ہیچ رو بدست نمی آید اگر تحسین سر مشق مفردات نستعلیق از نوشت ہائے جادو رقم فرمار وائی تعمیر و خط کہ غالیہ مو بانزا از رشک آں موی بر تن خواستہ دست دہد احسانیست شرح آں از اندازہ تحریر بیروں است ۔ رباعی :۔

اے اختر بخت تو شدہ اوج پذیر — در باب کہ مہر تو ام نیست گزیر
تو ماہی و من منیر چوں زاں منی — شاید کہ ز مہر خواست ماہ منیر

بندہ منیر بعد از طی منازل بایں شہر سعادت بہر رسیدہ واز صبح تا ایں ہنگام در جستجوی منزل آں ماہ منزلت بودہ اما بحکم الغریب کالاعمی پی بآں بیت الشرف نبردہ چوں شوق ایں مہر گزیں بر آں خورشید رواں روشن ست ہرگاہ اشارہ شود شرف اتصال دریابد و اختر خویش را سپاہی گزاروی کند۔

من دخیسہ زی بخت ہمایوں — بکام من فلک کردیدہ اکنوں

تا آرائش بیامن صبح از مطلع خورشید است درجہ آں ماہ سپہر معانی بلند باد۔

مندرجہ بالا اقتباس کے اول حصہ سے واضح ہے کہ منیر لاہوری کو فن کتابت سے ضرور واقفیت اور نسبت تھی یعنے اس کا خاندان فن خوشنویسی میں تمام ہند میں مشہور لاہور میں مقیم تھا جہاں منیر بھی دفن ہوئے اور یہیں ۱۲ ر رمضان المبارک ۱۰۱۹ھ کو پیدا ہوئے تھے۔ ان کا اصل نام ابوالبرکات تھا اور منیر ان کا تخلص تھا۔

مساجد لاہور پر خطاطی

عہد شاہجہانی میں بے شمار شاندار عمارتیں معرض وجود میں آئیں جن کے مشاہدہ سے اس کے اپنی اعلیٰ قابلیت فن تعمیر زیادہ عیاں ہے خاص کر اسلامی خطاطی کے ضمن میں ہم جب ذرا نظر دوڑاتے ہیں تو لاہور میں مسجد وزیر خاں ایک الگ منفرد کارنمایاں نظر آتی ہے جس پر کاشی کاری سے نقش و نگار بے مثال کئے گئے ہیں اور اس کے علاوہ اس کے

ایوان کے اندر بھی دیواری نقاشی ہے یعنی اس ہر دو قسم کی نقاشی کے ہمراہ بے شمار آیات قرآنی اور احادیث نبویؐ اور فارسی اشعار کو لکھا ہے یعنے خطاطی کے ضمن میں نسخ۔ ثلث۔ طغریٰ۔ نستعلیق وغیرہ سب کا مطالعہ فراہم کیا گیا ہے اتفاق سے کتابت میں تین اسماء کتاب یعنی محمد شریف جس نے ایوان کے ماتھے کی کمان کے اوپر درمیان پر آیت الکرسی کو خط ثلث میں لکھا ہے۔ اس عربی کتابت بطرز ثلث بہت جاذب اور موزوں کر کے لکھا ہے بعضوں نے "معتمد خاں" امیر عہد جہانگیر کی طرف توجہ دلائی ہے جس کا اصل نام محمد شریف تھا مگر وہ میرے سال جلوس عہد جہانگیر میں "معتمد خاں" کے خطاب سے سرفراز ہو چکا تھا۔ یہ شخص وہ محمد شریف نہیں جس نے یہ کتبات لکھے ہیں میں نے خط نسخ کے اکثر نمونے دیکھے ہیں جس میں محمد شریف نے لکھا ہے۔ اتفاق سے پٹنہ میں دو بھائیوں محمد شرف اور محمد شریف کے نمونے خطاطی اس طرح ثلث میں دیکھے ہیں اور ان کا وہی زمانہ ہے جو اس مسجد کی تعمیر کا ہے اور یہ کشمیر سے تعلق رکھتے تھے۔ محمد شریف کے متعلق میں نے یہاں اوپر لکھا ہے۔ مسجد کے اسی ایوان کے ماتھے کے آخیر بائیں طرف کاتب نے اپنا نام "حاجی یوسف کشمیری" لکھا ہے ہمیں مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی میں چند خطوط ملتے ہیں جن کا مکتوب الیہ حاجی یوسف کشمیری ہے۔ مؤذن مسجد بھی شمار ہوتا تھا۔ میں نے اس کا لکھا ہوا دیوان بابا فغانی شیرازی بھی دیکھا ہے۔ اس کے لڑکے محمد زمان۔ عبدالکریم اور محمد صلاح تھے جن کے لکھے ہوئے نمونے میں نے دیکھے ہیں۔ اتفاق سے لاہور میں گلابی باغ کے اندر جو روضہ غلطی سے دائی انگاہ کا شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے اندر چاروں طرف خط ثلث میں سورۃ انا فتحنا کو کاتب محمد صالح نے سنہ ۱۰۸۲ھ میں لکھا ہے جسے میں حاجی یوسف کشمیری کا لڑکا تصور کرتا ہوں اور میں نے ایک عربی کتاب "روضۃ اللطائف" کا نسخہ پٹنہ میں مسٹر مانک کے مجموعہ میں دیکھا جس کے ترقیمہ "کتبہ محمد صالح ہیں۔ حاجی یوسف البخاری فی شہر الالمبارک الرمضان سنہ ۱۰۵۲ھ" لکھا ہے۔ اس کے علاوہ اسی مسجد وزیر خاں کے باہر بڑے مشرقی دروازہ پر نہایت اعلیٰ کاشی کاری میں خط نستعلیق میں دائیں اور بائیں مندرجہ ذیل دو عبارات لکھی ہیں اور ان کا کاتب محمد علیؒ ہے

هوالجامع

این خانه که هست، چون فلک مظهر فیض — دارد چو حریم کعبه سر در سر فیض

بهر چهره و اهل قبله این در بر اد — تا حشر کشاده باد هم چو فیض

ہو

دہقاں درود بخشد نیک سرشت — در مزرعہ جہاں ہر آں چیز کہ گشت

کاخر راز ہست ازیں در بہشت — در باب عمل بنائے خیرے بگذار

کتبہ محمد علی

محمد علی کا ذکر بحیثیت کاتب ہمیں سکینۃ الاولیا مولفہ شہزادہ دارا شکوہ میں ملتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت میاں میر صاحب کا مرید تھا اور فن کتابت میں بہت شہرت رکھتا تھا۔

غرضیکہ اس مسجد پر ان کاتبوں نے یہ کتبات خطاطی کی قریب قریب تمام طرزوں میں نہایت اعلیٰ لکھے ہیں، اور لاہور میں اسی طرح کی ایک اور اسی عہد کی مسجد خواجہ مقبول لاہور میں ریلوے سٹیشن کے قریب جس کے کتبات کو خط ثلث وغیرہ میں ابراہیم نے سنہ ۱۰۶۰ھ میں لکھا ہے مگر یہاں لاہور میں ایک اور مسجد ہے جو اپنی اس اعلیٰ کاشی کاری کی وجہ سے 'مسجد چینیاں والی' کہلاتی ہے اور یہ مسجد شہر لاہور کے اندر کوچہ چابک سواراں میں ہے جہاں راقم کا قدیمی مکان بھی تھا یہ اس کے خیال میں تمام تاریخ فن تعمیر اسلامی اور تاریخ نقش ونگار میں واحد مثال ہے کہ اس مسجد کے ایوان کے ماتھے کی درمیانی کمان پر جو کتبہ اس کو پورے طور پر تینوں طرف احاطہ کئے ہوئے ہے وہ اعلیٰ خط کی طرز نستعلیق میں ہے اور فارسی میں ہے اور اس کتبہ کا اس طرح اختتام کیا ہے۔

اتمام بنائے ھذا المسجد المنیع وھو عمیم الفیض واللہ المستفیض

کتبہ میر مرتضیٰ

ویسے یہ مسجد بعہد اورنگ زیب سنہ ۱۰۸۱ھ میں تعمیر ہوئی تھی اور اس پر کہیں بادشاہ عہد کا نام نہیں ہے۔ اس کا بانی "افراز خاں" کوئی امیر تھا اور مندرجہ ذیل شعر سے یہ بات واضح ہے ؎

طرفہ معمار خرد تاریخ سال

گفت زیبا مسجد از افراز خاں

شاہ جہاں کے عہد میں میر سید علی تبریزی بھی بہت مشہور کاتب تھا اور جعفر خاں المخاطب کفایت خاں بھی تھا در اصل شاہ جہاں سے تعلق رکھتا تھا۔

خط بعہد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ

فنون لطیفہ کے بیان کے ضمن میں بعہد اورنگ زیب قلم ذرا احتیاط سے جُنبش میں آتی ہے کیونکہ فوراً اس خیال سے رک جاتی ہے کہ اس عہد میں دربار سے جس قدر بھی مراعات اکبر کے عہد فنون کے ضمن سے وابستہ چلی آتی تھیں وہ ختم ہو گئی تھیں اور فنون نے خود بخود اپنی الگ انفرادی اور شخصی طور پر راہ اختیار کر لی تھی یعنی فنون نے امارت کے سایہ سے چھٹکارا حاصل کر کے جمہوری روش اختیار کر لی تھی یہی وجہ ہے کہ اس عہد میں شخصی طور پر بالخصوص مصوری اور موسیقی میں اس قدر خود مختار ادارے ظہور میں آئے کہ ایک خاصا جال نظر آتا ہے مگر خوش قسمتی سے خطاطی میں ذرا کم اثر ہوا کیونکہ اس کا پس منظر ذرا مختلف ہے جبکہ عالمگیر نے خود شاہزادگان کی تعلیم کے لئے ماہرین اساتذہ کو مقرر کیا تھا اور خود رشید دیلمی اور سید علی خان الحسینی جواہر رقم متوفی ۱۰۹۴ھ سے براہ راست خط کی تعلیم حاصل کی تھی اور روش خط میں زیادہ خط نسخ اور خط شکستہ کی طرف ہو گئی تھی غلام محمد ہفت قلمی نے لکھا ہے کہ جواہر رقم تبریز کا باشندہ تھا جو اپنے والد آقا مقیم کا تلمیذ تھا اور روش میں میر عماد کا مقلد تھا، یعنی اورنگ زیب نے ان روایات پر علم خط میں مہارت حاصل کی تھی۔ مراۃ العالم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں جواہر رقم نے بہت اثر کیا تھا یہ بھی مشہور ہے کہ اورنگ زیب عالم گیر نے خود بھی کئی قرآن کریم کے نسخے لکھے تھے اور وہ خود اپنے مکتوب میں لکھتا ہے کہ میں نے ان کو رضائے الٰہی کے لئے لکھا اور ان کو مقامات مقدسہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ بھجوا دیا تھا ان پر نہ نام اور نہ تاریخ لکھی تھی کیونکہ ان کو اللہ کی رضا کے لئے لکھا تھا آج اکثر لوگ بیان کرتے ہیں کہ ان کے ہاں اورنگ زیب کے لکھے ہوئے قرآن کریم کے نسخے ہیں جو سراسر غلط اور جھوٹ ہے اس عہد میں خط نسخ لکھنے والوں میں عبداللہ مشتہر بہ عبدالباقی اور محمد عارف المخاطب بہ یاقوت رقم زیادہ مشہور تھے مگر اورنگ زیب کے عہد میں نستعلیق لکھنے میں زیادہ مشہور ہدایت اللہ زریں قلم" جس کا ذکر اکثر خطوط میں بھی آتا ہے اِس کا انتقال ۱۰۸۰ھ میں بمقام احمد نگر ہوا تھا اس عہد میں محمد امین مشہدی اور محمد باقر مشہور خطاط تھے مگر محمد اسمٰعیل عاقل جو حاجی اسمٰعیل کے نام سے مشہور تھا خوب لکھتا تھا۔

خطِ شکستہ کا عروج

خط کو ہمیشہ انفرادی حیثیت ہی رہی کیونکہ ہر فرد بشر اپنے ذاتی نہج پر لکھتا ہے اور اسی طرح اس میں مختلف ادوار اور طرزیں بھی شخصی جدوجہد کی وجہ سے آئی ہیں اور دربار شاہی سے اکثر فرامین و پروانے بھی جاری ہوتے رہے ہیں

جن کو آخر خط خاص میں لکھا جاتا تھا اسی وجہ سے بعضوں نے اس خط کو "دیوانی" کا نام دیا ہے اور خط دیوانی کی تعریف انند رام مخلص متوفی ۱۱۶۴ھ نے یوں لکھی ہے۔

"خط دیوانی عبارت است از خط شکستہ کہ اہل دفاتر دیوان می نویسند
و آں پیچ دار می باشد تا دیگرے باآں وضع تواند نوشت"

اس کی توضیح مرزا طاہر وحید اور مصنف بہار عجم نے بھی یوں کی ہے۔

"خط دیوانی خط شکستہ پر زشت ناخوان مخصوص مرزایان دفتر کہ ارباب
دفاتر ایران دارند تا دیگرے نقل باآں نتواند کرد لہٰذا در ہمانجا رائج است"

اس کی تائید میں اکثر شعراء کے اقوال بھی موجود ہیں مگر خط دیوانی لکھنے میں ہندوستان میں سب سے زیادہ ماہر اشرف خان بعہد اکبر تھا جیسا کہ ہم نے اوپر درج کیا ہے مگر یہ خط زیادہ تر فرامین کے لکھنے کے لئے وقف رہا۔ اس کے متوازی ایران میں مرزا شفیعا کے خط اس ضمن میں ہمیشہ استعمال کیا گیا اس وجہ سے اس قسم کے خط بصورت اصطلاح شفیعا لکھا گیا مگر ہندوستان میں مغل دربار کے ضمن میں خط شکستہ کو انند رام مخلص نے "مراۃ الاصطلاح" میں یوں بیان کیا ہے۔

"خط شکستہ نوعی است از خط نوشتن کہ پیچ دار باشد۔ اقسام خط شکستہ بسیار
است در ہندوستان کفایت خان و اشرف خان ایں خط را خوب نوشتند
چنانچہ قطعہ ہائے ایشاں سرمشق اہل فن است و حالانکہ سنہ یک ہزار
یک صد و پنجاہ و ہفتم است مرید خان خوب می نویسد و خانصاحب عبدالحمید
خان کہ دیوان متن و از قدیم مہربان براحوال . . . . ."

اگرچہ ملا محمد صالح کنبوہ نے عمل صالح میں شکستہ نویساں کے تحت مرزا محمد جعفر مخاطب بہ کفایت خاں و جلال الدین یوسف کے اسماء لکھے ہیں اور ہر دو محمد حسین کے شاگرد تھے یعنی مرزا محمد حسین ولد میرزا شکر اللہ کی طرف اشارہ ہے، جو در اصل تاریخ حبیب السیر کے مصنف حبیب اللہ ساوجی کا قرابت دار تھا وہ ایران سے مغل دربار میں آگیا تھا مگر شکستہ نویسوں میں کفایت خاں ضرب المثل تھا جس کے اکثر نمونے راقم نے دیکھے ہیں اس کے خط میں شکستگی کا ایک خاص وصف تھا جس وجہ سے وہ منفرد حیثیت رکھتا تھا۔

اس کا والد محمد مقیم بھی بہت بڑا کاتب تھا جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے مگر کفایت خاں اس قدر مشہور ہوا کہ اس کا شکستہ لکھا ہوا بذات خود "کفایت خانی" کی اصطلاح سے مشہور ہوگیا اس کا انتقال بعہد اورنگ زیب ۱۰۹۵ھ میں شاہ جہان آباد میں ہوا تھا اور اس کا ایک لڑکا عبداللہ تھا جسے درایت خان کا خطاب تھا اور وہ بھی باپ کی روش پر شکستہ لکھتا تھا اور اس کے لکھے ہوئے کو عام طور پر "درایت خانی" کہا جاتا تھا۔ حسن اتفاق سے کفایت خان کا لکھا ہوا نسخہ "گلستان" کبھی میرے کتب خانہ میں تھا اور آج کل وہ عجائب گھر آل کراچی میں محفوظ ہے اس کا ترقیمہ یہ تھا۔

"شب پنجشنبہ ۲ محرم الحرام ۱۰۸۶ھ در دارالخلافہ شاہجہان آباد باتمام
رسید این نسخہ شریف راقم العباد محمد جعفر بلقب بہ کفایت خان بجہت
فرزندی عبداللہ نوشت و باو تملیک نمود کہ بحفاظت بطریق یادگار نگاہ
دارد بہ ہیچ کس نبخشد و بعاریہ بکسے دہند۔"

غرضیکہ عہد اورنگ زیب میں خط شکستہ نے وہ عروج کفایت خان کی وجہ سے حاصل کیا جو اس سے پیشتر نہیں ہوا تھا اور ویسے بھی اسلامی خط کو عام طور پر بھی اس عہد میں آزادانہ طور پر خوب لکھا گیا۔

دوسرے معاصرین میں سے میرزا سید علی خان جواہر رقم تبریزی کو بھی دربار اورنگ زیب سے تعلق تھا یہ شخص اگرچہ زیادہ تر نسخ لکھنے میں مشغول تھا اور رشید دیلمی کی عزت کرتا تھا۔ اسی طرح ہدایت اللہ زریں قلم کو بھی اورنگ زیب کا قرب حاصل تھا جو شہزادگان کی مشق خط کی تعلیم میں مشغول تھا اور تمام طرزوں میں لکھتا تھا مگر خاص کر نستعلیق طرز میں وہ بھی آقا رشید کی عزت کرتا تھا۔ ہدایت اللہ کی وفات ۱۱۱۸ھ میں احمد نگر میں ہوئی تھی اگرچہ بعضوں نے جواہر رقم تبریزی کے خط کو ہدایت اللہ کے خط پر ترجیح دی ہے۔ سب سے بہتر بات یہ ہے کہ ان ماہرین میں کسی قسم کا فنی بغض و عناد نہیں تھا۔

آخر آقا رشید دیلمی کی وفات پر اس کے شاگرد سعیدای اشرف ماژندرانی نے جو شاعری میں صائب تبریزی کا تلمیذ تھا اپنے استاد کی یاد میں ایک طویل قصیدہ لکھا ہے جو بہت مشہور ہے جس کے مندرجہ ذیل پانچ اشعار ملاحظہ ہوں۔

کردہ بود ایزد عنایت خوشنویس و شاعری — کز وجود ہر دو کردی افتخار ایام ما
بود اسم و رسم آں عبدالرشید دیلمی — بود نام ایں علی بیگ و تخلص صائبا

آں ہندوستان نمودی خوشنویسی را علم ایں بایراں داشتی رسم سخن دانی بیا
روی با من کرد و گفت اشرف بگو تاریخ آں چوں ترا بودند ایشاں او استاد و پیشوا
گفتم از ارشاد پیر عقل در تاریخ آں بود با ہم مرداں آقا رشید و صائبا

اور اشرف ماژندرانی نے شہزادی زیب النساء کو بھی خط نستعلیق کی تعلیم دی تھی اور وہ بھی خوب لکھتی تھی۔

تذکرہ خوشنویساں کے مصنف غلام محمد ہفت قلمی نے مندرجہ ذیل تلامذہ رشید دیلمی بیان کئے ہیں۔ شہزادہ داراشکوہ۔ میر حاجی پسر خواندہ آقا عبدالرشید۔ سعیدای محمد اشرف ماژندرانی۔ مولانا شاکر۔ چندربھان منشی۔ خواجہ نامی۔ عبدالرحمٰن فرمان نویس۔ عبدالرحیم فرمان نویس۔

مگر سید علی خاں جواہر رقم الحسینی بن آقا مقیم آخیر زمانہ اورنگ زیب میں میر عماد کی روش پر خوب لکھتا تھا اور اس عہد عالم گیری میں ہندوستان آیا تھا تو عالم گیر نے اسے شہزادگان کو خط کی تعلیم کے لئے مقرر کیا تھا اسی طرح خط کی قدردانی آخیر عہد مغلیہ تک رہی۔

ابوالفتح قابل خاں نے اپنی ملازمت کا طویل حصہ اورنگ زیب عالم گیر کے کتبخانہ یا اس کے دارالانشاء میں گزارا۔ یہ شخص دراصل ٹھٹھہ سندھ کا باشندہ تھا جب اورنگ زیب ہنوز شہزادہ ملتان کا صوبیدار تھا جس کے ہمراہ اور ٹھٹھہ بھی شامل تھے تو یہ شخص اورنگ زیب کی ملازمت میں آیا تھا اسے منشی الممالک کا خطاب بھی دیا۔ عالم گیر نامہ کے مطابق اورنگ زیب نے ابوالفتح منشی کو خطاب قابل خانی اور چار ہزار روپیہ انعام دیئے تھے اور دو لاکھ دام سے بھی سرفراز کیا تھا۔ اس نے علاوہ فہرست کتاب خانہ بعہد اورنگ زیب کے دو خطوط وغیرہ جمع کئے جو اورنگ زیب نے بزمانہ شاہزادگی مختلف معاصرین کو لکھے تھے جو آج ہمارے سامنے ایک ضخیم کتاب کی صورت میں بنام آداب عالمگیری موجود ہیں۔ ابوالفتح کا انتقال ۱۱۰۲ھ میں ہوا۔ یہ کتاب لاہور میں طبع ہو چکی ہے۔

"انشائے طاہر وحید" اورنگ زیب کے عہد کی مشہور کتاب ہے جو دراصل عمادالدولہ محمد طاہر قزوینی کی تصنیف ہے جس کا تخلص 'وحید' تھا۔ اس نے شاہ عباس ثانی صفوی کے عہد کی تاریخ بھی لکھی ہے۔ اس میں خطوط و دیگر تحریروں کا بہت مفید مجموعہ ہے جو اس نے معاصرین کو لکھے ہیں اس میں اس نے کئی بار مختلف موقعوں کے اعتبار سے مرزا محمد مقیم کتاب دار کا ذکر کیا ہے جس کو بعض پیغام و رسل کے تحت ادھر ادھر ارسال بھی کیا گیا ہے۔ ایک مقام پر عنوان اس

طرح ہے" رقمیکہ میرزا مقیم کتابدار درایلچی گری ہند نوشتہ"، جس سے ظاہر ہے کہ وہ "ایلچی گری" کے فرائض پر ایران میں متعین بھی رہا۔ دراصل اس کی ابتدا بحیثیت کتابدار کے ہوئی تھی اور اس انشا میں اس کے علاوہ طاہر وحید نے خط شکستہ پر بھی بو سبیل تذکرہ بحث کی ہے اور اس کے علاوہ "دیباچہ کہ برسم الخط قرآن نوشتہ شدہ" عنوان کے تحت کتابت کی مرصع کاری اور اسی ضمن میں لوح قرآنی و نسخ و نستعلیق وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے اور اس دیباچہ میں آیاتِ قرآنی سے مرصع کیا ہے اور اسی نے اپنا نام 'دیباچہ کہ ہر علم صرف نوشتہ اند' میں یوں لکھا ہے۔

"راقم حروف۔ محمد الطاہر الوحید الشریف ——— بتاریخ چہارم ذی الحجۃ الحرام
۱۰۸۰ھ۔ تمام"۔

غرضکہ اس طرح بعض دیگر امرائے عہد مغلیہ کو بھی پیش کیا جا سکتا ہے جن کا تعلق زیادہ تر فن یا علم کتابت یا ریاست کے دارالانشاء سے تھا۔

اسلامی خط بعد وفات اورنگ زیب سے آج تک

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۱۱۸ھ/۱۷۰۷ء) کے بعد پاک و ہند کا سیاسی ماحول و ثقافتی چہل اور اس عہد کے فنی کارنامے عجیب و غریب اپنے قبل سے مختلف فضا پیش کرتے ہیں ظاہر ہے سیاست نے بعہد اورنگ زیب بالکل غیر متوقع کروٹ لی تھی۔ ثقافت اسلامی میں دیگر غیر اسلامی عنصر نے بھی کچھ دخل دیا کیونکہ غیر اسلامی ریاستیں بھی اس میں حائل ہوئیں اگرچہ بذات خود بادشاہ کا اپنا ذاتی کردار زیادہ تر اسلامی رہا اور فنون کے ضمن میں خاص کر ایک تبدیلی یہ ہوئی کہ جو سرپرستی ان کو ابتدا سے دربار شاہی سے حاصل تھی وہ ختم ہوگئی اور وہ آزاد ہوگئے یعنی فن کار کا رشتہ دربار سے نہ رہا اور ایک طرح فن امیرانہ یا درباری ماحول سے آزاد ہو کر جمہوری ہوگئے تھے اور اپنے اپنے نہج پہ آزادانہ کام کرنے لگے اس سے ظاہر ہے کہ فن نے ایک نیا آزادانہ رُخ اختیار کر کے آزاد ماحول میں خاصی ترقی کی چونکہ ہمارا موضوع خطاطی ہے جس کا آغاز ہم اوپر مطالعہ کر چکے ہیں اور خط کی کئی انواع اور طرزیں اس وقت تک اپنے پورے ارتقا تک پہنچ چکی تھیں جن میں اگرچہ بعد میں مزید شخصی طور پر ترقی ضرور ہوئی یا ان میں انفرادیت آگئی۔ ہم نے دیکھا ہے کہ یہاں خط کوفی۔ نسخ۔ تعلیق۔ ثلث و نستعلیق و شکستہ

اور دیوانی کی طرز میں برابر اپنا جلوہ دکھاتی رہیں تھیں اور غیر مسلم ماہرین نے زیادہ حصہ لیا چنانچہ حالات اور ملکی ماحول کے مطابق ان میں مزید تازگی بھی پیدا ہوگئی اور نئے نئے ماہر خطاط بھی جلوہ گر ہوئے۔

تاریخی طور پر ہم جانتے ہیں کہ اورنگ زیب کے بعد مغل بادشاہوں کا سلسلہ برابر شاہ عالم سے لے کر بہادر شاہ یعنی ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۷ء تک جاری رہا اس کے بعد انگریزی دور یعنی برٹش حکومت آگئی اور وہ متواتر ۱۹۴۷ء تک رہی. اس کے بعد پاکستان ظہور میں آگیا مگر دیکھنا یہ ہے کہ خط اسلامی کا جو انعقاد عہد سلاطین غزنہ کے تسلط سے یہاں ہوا وہ برابر اور متواتر برقرار رہا۔ اللہ کے فضل و کرم سے خط کو ہمیشہ فروغ ہی رہا اس سے ظاہر ہے کہ کس قدر بڑے بڑے لکھنے والے اس تمام دور میں ہو گزرے ہیں اور انہوں نے کیا کیا کارنامے سرانجام دیئے اور کیا کیا اسلوب اختیار کئے جن کا کماحقہ احاطہ کرنا آسان کام نہیں ہے میرے خیال میں پاک و ہند میں اسلامی ادب مختلف انواع کا لسانی اعتبار سے ہر ملک اور شہر میں شائع ہوا جو بذات خود ایک نہایت دلچسپ اور طویل داستان ہے مگر یہ سب خط اسلامی کا اپنا جلوہ ہے۔

کتب متعلق فن خطاطی

میں نے یورپ، امریکہ و ترکیہ کے کتب خانوں میں بے شمار اسلامی خطاطوں کے نمونے اور بے شمار ایسے مخطوطے بھی دیکھے ہیں جو زیادہ تر فن خطاطی اسلام سے متعلق ہیں اور وہ ان ملکوں سے متعلق ہیں اور ان میں وہاں کے مشہور خطاطوں کے حالات ہیں۔ انسان ان کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے اور اس فن خطاطی اور قرآن کریم کی عظمت کا اقرار کرنا ہے خاص کر قرآن کریم کے ضمن میں یہ امر واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے کہ اسے محض وہی شخص صحیح لکھ سکتا ہے جو اول ایمان اور اسلام کا دل سے اقرار کرے اور ساتھ اسے کسی قدر عربی زبان سے بھی ضرور واقفیت ہو افسوس پاک و ہند سے متعلق ان میں کم مخطوطے دیکھے ہیں تاہم یہاں خاص اس متاخر زمانہ میں بعض کتب فن خطاطی جو ہمیں میسر ہیں ان میں خصوصیت سے تذکرہ خوش نویساں مصنفہ غلام محمد ہفت قلمی مطبوعہ صورت میں میسر ہے جو ۱۸۳۳ھ کی تصنیف ہے مگر اس کے علاوہ بعض دیگر کتب بھی بعض کتب خانوں میں بصورت مخطوطہ محفوظ ہیں ان میں خاص کر بختاور خاں متوفی ۱۰۹۶ھ کی کتاب "مراۃ العالم" قابل ذکر ہے جو ۱۰۷۸ھ کی تصنیف ہے مگر اس میں اکثر غیر ہندی کاتبوں کا ذکر بھی ہے جسے درصل مرحوم مولوی محمد شفیع صاحب نے اورینٹل کالج میگزین کے شمارہ اگست ۱۹۳۴ء میں

شائع کر دیا ہے اور ۱۱۵۴ھ خوشحال چند بن جیون رام کاستھ نے اپنی کتاب تاریخ محمد شاہی عرف نادر الزمانی مرتب کی اس میں خطاطوں کا ذکر ہے جو در اصل ایک طرح مراۃ العالم کے یہاں خطاطاں کا اختصار ہے۔ اس کے بعد سنہ ۱۲۱۸ھ میں عبدالرحمان مخاطب بہ شاہنواز خاں ہاشمی بنیانی ثم لاہوری نے "مراۃ آفتاب" لکھی اس میں بھی ایجاد خطوط و احوال خطاطاں کے عنوان سے ایک فصل دی ہے۔

ویسے ہمیں یہ بھی بیان کرنا چاہیئے کہ مغل عہد کی مشہور تاریخوں "آئین اکبری" "اقبال نامہ جہانگیری" مصنفہ میرزا محمد عرف معتمد خاں بخشی اور عمل صالح مصنفہ محمد صالح کمبوہ میں خطاطاں عہد کا مختصر ذکر ہے یعنی ہماری تاریخ اس طرح مکمل ہے مگر منشی سجان رائے بھنڈاری بٹالوی نے ایک کتاب "خلاصہ المکاتیب" سنہ ۱۱۱۰ھ میں لکھی تھی اس میں بھی مصنف نے اپنے عہد کے چند لکھنے والوں کا ذکر کیا ہے اس کے بعد انند رام مخلص نے ایک کتاب مراۃ الاصلاح ۱۱۵۸ھ میں مکمل کی جس میں اس زمانہ کے بعض خطاطوں کا ذکر ہے مگر میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے اپنی کتاب "تحفۃ الکرام" ۱۱۸۱ھ میں لکھی جس میں خاص کر سندھ کے کاتبوں کا ذکر اس لئے کیا ہے۔ مولوی محمد شفیع مرحوم نے ان کو اپنے مخطوطہ تحفۃ الکرام سے اورنٹیل کالج میگزین سنہ ۱۹۳۵ء میں چھاپ دیا ہے۔

کئی دیگر کتب بھی بطور مشق خطاطی جو بعض مقامی خطاطوں سے منسوب ہیں بعض کتب خانوں میں محفوظ ہیں وہ ایک الگ موضوع ہے مگر اکثر ماہرین نے اپنا اپنا انفرادی ماحول پیدا کیا اور ان کے نام سے مشہور ہوا۔

اورنگ زیب عالمگیر کاتب قرآن کریم

اورنگ زیب عالم گیر نے سید علی خاں جواہر رقم "متوفی سنہ ۱۰۹۴ھ سے فن خطاطی کی تعلیم حاصل کی تھی اس کے متعلق تذکرہ "خوش نویساں" میں یوں لکھا ہے۔

"سید علی خاں جواہر رقم الحسینی گویند از تبریز است نام پدری آقا مقیم است کہ علم خط در ولایت تکسیب کردہ بردید آنجا نوشت و بر دیہ میر عماد بسیار مشق کردہ و چلہ ہائے کشیدہ و شوق تحصیل خط آباد از حد داشت تا فطش بایں پایہ رسید در اوائل عہد پادشاہی عالم گیر در ہند آمدہ مشہور گردیدہ ـــــ بلقب جواہر رقمی مشرف گشتہ بہ تعلیم محی الدین محمد اورنگ زیب

عالمگیر مامور شدہ سر امتیاز برافراشت در عہد سلطنت عالم گیری بداروغگی

کتاب خانہ مقرر شدہ ۔

یہ مسلمہ ہے کہ اورنگ زیب نے فن کتابت میں مشق کی تھی اس لئے یہ عام طور پر مشہور ہے کہ عالم گیر اورنگ زیب خود قرآن کریم لکھ کر مکہ مکرمہ ارسال کیا کرتا تھا جس سے عام لوگ اس کے صاحب ریاضت و متقی ہونے کی دلیل لیا کرتے ہیں ویسے متذکرہ بالا اقتباس سے واضح ہے کہ وہ خطاطی میں ماہر بھی تھا اور اس کے مخطوطوں کے متعلق کئی قصے مشہور ہیں اور بعض لوگوں نے اس کے نام پر بعض قرآن کریم کے مخطوطہ کو اس سے منسوب کر کے چھاپ دیا ہے اتفاق سے عالمگیر کا ایک ذاتی رقعہ موجود ہے جو اس نے اپنے لڑکے کو خطاب کیا ہے جس سے واضح ہے کہ اورنگ زیب نے واقعی ایک دو قرآن کریم کے نسخے لکھے اور محض رضا الٰہی کے لئے رکھے اور اسی وجہ سے اس نے ان پر نام تک نہیں لکھا چنانچہ کلمات طیبات کے ایک نسخہ سے مندرجہ ذیل الفاظ یہاں نقل کئے ہیں ۔

چہ بنویسیم و چہ بگویم خجالت و انفعال ایں نام بہ نامے گفتہ ما نوشتن

”رسم برسم آں برسم اولی دانست من یک دو مصحف کہ نوشتہ ام نا نوشتہ ام

تاریخ ہم نوشتن درکار نیست اگر برائے او سبحانہ نوشتہ اند علم او حسبی و یکفی“

یعنی عالم گیر نے باقاعدہ خطاطی کی تعلیم حاصل کی تھی اسے اس فن کا احترام ملحوظ تھا اور یہ معمول ہمیشہ اسلامی ریاست میں رہا یعنی ہمیشہ شاہی خاندان میں خطاطی کی تعلیم ایک معمول تھا چنانچہ کئی خطاط جو عہد اورنگ زیب سے مشہور تھے انہوں نے اس فن کے معیار کو برقرار رکھا تھا اور یہی ماہرین اکثر شاہ عالم کے عہد میں بھی برابر کام کرتے رہے جن میں مرزا حاتم بیگ مشہور خوش نویس خصوصیت سے خط دیوانی شکستہ نما کے ماہر تھے اور اکثر فرامین وغیرہ لکھتے تھے اسی وجہ سے دربار شاہ عالم اور فرخ سیر میں میر منشی کے عہدہ پر سرفراز تھے اور آپ میر علی ہروی کی طرز پر خوب لکھتے تھے

چند مشہور خطاط

عالمگیری عہد کے مشہور ایرانی خوش نویس عبدالباقی حداد کے شاگرد محمد عارف تھے جو اپنے زمانہ میں بہت نامور خوشنویس تھے اور خط ثلث اور نسخ میں تو ان کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے ایک خاص اسلوب یعنی اپنا ایک خاص معیار پیدا کیا تھا وہ بہادر شاہ اول کے دربار سے بھی منسلک رہے اور ان کا یاقوت رقم کا خطاب تھا۔

ان کے شاگردوں میں خاص کر محمد افضل اور محمد عسکری مرزا زین العابدین اور مرزا افضل اللہ کافی مشہور تھے اور ان کے بھائی کا لڑکا عصمت اللہ آپ کے اعلیٰ تلامذہ میں سے تھا اور وہ عہد شجاع الدولہ سے منسلک تھا۔ اس طرح محمد عارف کا سلسلہ تلمذ برابر جاری رہا۔

حاجی نامدار مشہور نستعلیق خطاطوں میں سے تھے اور آقا عبدالرشید دیلمی کی روش پر لکھتے تھے اور ان کے خط میں ایک خاص جاذبیت تھی۔ بعض حالات سے ملتا ہے کہ آپ اورنگ زیب کے آخیر عہد میں بھی لکھتے تھے مگر فرخ سیر کے عہد میں مشاہیر میں سے تھے اور عہد محمد شاہ کے مشہور خطاط محمد حفیظ خان تھے جو اتفاق سے ہر طرز یعنی خط نسخ۔ ثلث۔ تعلیق و نستعلیق اور شکستہ عام لکھتے تھے اور داروغہ کتاب خانہ کے عہدہ پر سرفراز تھے جب زمانہ انقلاب آیا تو آپ نے روزگار کو ترک کر کے عبادت و توکل و قناعت پر تکیہ کر لیا ویسے آپ کے خط میں بھی ایک خصوصیت تھی جس پر وہ ہمیشہ استادانہ طریق پر لکھتے تھے آپ نے قرآن کریم کے چند نسخے طرز یاقوت پر مطلا مذہب لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کئے تھے اور آخر عمر میں عام طور پر قرآن ہی لکھا کرتے تھے آپ کی ذات ستودہ سے عوام کو بہت فیض پہنچا۔ آپ کے تلامذہ اکثر مشاہیر خطاطوں میں شمار ہوتے تھے مثلاً میر ابوالحسن عرف میر کلن۔ قادر بخش۔ محمد اسمٰعیل محمد تقی و دیگر ماہر تھے مگر خاص کر نستعلیق شکستہ میں منشی لچھمن سنگھ۔ لچھمی پنڈت رام۔ لالہ سکھ رام۔ منشی خوش نویس بھی آپ کے تلامذہ میں سے تھے آپ کی تاریخ وفات یہ ہے۔

چوں محمد حفیظ خان استاد ترک ایں خاکدان فانی گفت
سال تاریخ فوت او راقم وای آقا رشید ثانی گذشت!

یعنی آپ کا انتقال ۱۱۹۴ھ میں ہوا۔

مگر اس زمانہ کے خط میں ایک خاص کیفیت بطور قدرتی میلان کے طرز خط شکستہ کی طرف زیادہ رغبت نظر آتی ہے جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اس عہد میں فنون میں ایک خاص آزادی اور کسی قدر روایات سے ذرا ہٹ کر اس روش میں ایک تنوع پیدا ہو گیا تھا اس ضمن میں ہم اس عہد میں ایک مشہور خطاط مولوی حیات علی کو بہت دیکھتے ہیں جن کے متعلق مولانا غلام محمد ہفت قلمی نے لکھا ہے۔

ذات فیض ایاتش بحلیہ فیض دہ ہزار راستہ و در علم عربی و فارسی و ترکی بعید

وار نوشتن خط شکستہ وغیرہ شہرہ آفاق ۔ ۔ ۔ ۔ "

انہوں نے خط میں کمال پیدا کرنے کے لئے متواتر سات سال مشق کی حتیٰ کہ وہ اپنے استاد سے بھی بہتر لکھتے تھے انہوں نے خط شکستہ کو پریم ناتھ اور نستعلیق کو خلیفہ سلطان سے اخذ کیا تھا جس سے خط شکستہ مزید مجلا ہو گیا حتیٰ کہ بعض اساتذہ بھی اس کی بلندی تک نہیں پہنچے اور اس صفت کی تعریف و توصیف حد تحریر و تقریر سے بالا ہے۔ خاص کر متذکرہ بالا پریم ناتھ کے متعلق لکھا ہے کہ سرکار شاہ عالم ثانی کے عہد میں اقتدار رکھتے تھے بلکہ کبھی کبھی فارسی اور اردو اشعار بھی کہتے تھے آپ کا تخلص "آرام" تھا۔ اس سے بڑھ کر آپ کو تیر اندازی میں بھی دخل تھا ہمیشہ صاحب قناعت رہے اور آخیر عمر میں متھرا (بندرابن) میں آ گئے اور وہیں آپ کا خاتمہ ہوا۔

میر ابوالحسن عرف کلن جن کا ہم نے تلامذہ حفیظ خان میں اوپر ذکر کیا ہے۔ عالی خاندان رضوی میں سے تھے عموماً خط نستعلیق کو آقا رشید دیلمی کی طرز پر لکھتے تھے ایک عرصہ تک نواب عبدالاحد خان کی رفاقت میں رہے اس کے بعد وہ اکبر شاہ ثانی کی سرکار سے منسلک ہو گئے آپ کے صاحبزادے میر محمد حسین بھی خوش نویس تھے جو اپنے باپ کے صحیح جانشین تھے اور لکھنؤ میں آ کر مرزا سلیمان شکوہ کے میر منشی ہو گئے تھے۔ ان کے معاصر غلام علی خان مشہور خطاط اکبر شاہ ثانی کے دربار میں خوش نویس تھے اور خوش گفتار اور علم مجلس کے ماہر تھے۔ ساتھ ہی ان کو علم موسیقی میں بھی دخل تھا۔ انہوں نے "شاہ عالم نامہ" بھی لکھا تھا۔ ان کے ہمراہ کاتب حافظ محمد علی بھی تھے جو نستعلیق طرز روش قدیم اساتذہ پر لکھتے تھے اور ان میں استادان مرزا جوان بخت بہادر مرزا سے سرفراز و سربلند ہوئے۔

اس نام کے دیگر خطاط مثلاً محمد علی بن زریں رقم اپنے والد کے دوش بدوش طرز نستعلیق لکھتے اور خاص کر خط جلی لکھنے میں مشہور تھے اور شاگردان میرزا محمد علی میں سے خوش وضع و خوش کلام تھے اپنے فن میں شہرہ آفاق تھے ان جیسا اپنے زمانہ میں اور کوئی مہر کن نہ تھا ان کے چہرے سے نور چمکتا تھا بعض اوقات مہر کنی کے علاوہ قطعات جلی بھی لکھتے تھے جن میں وہ اکثر خط ہندی۔ نسخ۔ ریحان۔ ثلث کو خوب استعمال کرتے تھے۔

میرزا محمد علی بن میرزا خیر اللہ بن لطف اللہ مہندس بن احمد معمار شاہجہانی یعنی فن کاروں کے ایک مشہور خاندان سے تھے وہ مقبول غلام محمد ہفت قلمی فرمان نویس میاں عبدالکریم قادری کے خاندان سے استادان مسلم الثبوت تھے لکھنؤ میں ہفت قلمی سے نہایت اخلاق سے ملتے تھے۔ خط خفی و جلی لکھنے میں جادو کا اثر رکھتے تھے انہوں نے روش آقا رشید دیلمی

پر لکھنے میں سبقت حاصل کی تھی مدت مدید تک سرکار عماد الملک سے وابستہ رہے۔ اگرچہ بیچ میں کچھ عرصہ فرخ آباد میں بھی رہے ان سے ہفت قلمی کی ملاقات لکھنؤ میں نواب آصف الدولہ بہادر کے ہاں ہوئی تھی جو انہوں نے لکھا ہے چونکہ مجھے اساتذہ کے خطوط سے عشق ہے اس لئے ان سے نیازمندی ہے اور مرزا کے تلامذہ ہی سے قاضی نعمت اللہ بھی تھے ایک روز ان کے ہاں ان سے ملاقات ہوگئی تو صاحب مردم دیدہ، نورانی اور فرشتہ سیرت اور مذہب اخلاق کا ابتدا ملاقات میں احساس ہوا اور خاکسار کی طرف کمال تپاک، مہربانی، گرمجوشی۔ الطاف توجہ فرمائی تو دہلی کے احباب کا حال دریافت فرمایا اور بعد ازاں قدیم و جدید نمونے بھی پیش کئے اور کافی دیر تک یہ مجلس رہی۔ انہوں نے ایک گلستان کا نسخہ وزیر علی خان کے لئے مطلّا و مذہب مرتب کیا تھا جس کے دیکھنے سے غلام محمد ہفت قلمی بہت محظوظ ہوئے گویا میرزا مذکور نے تمام قوت صنعتِ خطاطی کو خود اس میں صرف کر دیا ہے اس میں نسخہ کی خطاطی کی ترکیب و دوائر و کرسی اور حروف کی کشش تمام تر قابل ستائش ہے اس زمانہ میں مرزا وزیر علی خان استاد برائے اصلاح خط نستعلیق مقرر تھے ان کے چند روز بعد آپ کا انتقال ہوا اور آپ کے شاگردوں میں قاضی نعمت اللہ و خلیفہ بخش اللہ اور میر نثار علی خوب لکھتے تھے اس طرح ان کے تلامذہ میں مقبول نبی خان پسر انعام اللہ خان یقین شاعر کے اسماء ملتے ہیں۔

غرضیکہ احمد معمار شاہجہان کے خاندان کے افراد ہنروری میں یکتائے روزگار ہیں۔ محمد افضل الحسینی خوش نویس مشہور خطاط تھے ان کے خط میں اور جواہر رقم و ہدایت اللہ زریں رقم کے خط میں خاصی مماثلت تھی۔ ابتداء میں سرکار نواب قمرالدین خاں المخاطب باعتماد الدولہ میں تھے اور میر منو کے استاد تھے اکثر قطعات خط خفی میں کتابت کرتے تھے۔

محمد افضل القریشی اکثر رشید دیلمی کی روش پر لکھتے تھے اور محمد افضل لاہوری نامی قادری اپنے زمانہ میں خوب مشہور تھے یہ محمد شاہ زمانہ میں اکثر "آقائی ثانی" کہلاتے تھے۔ ان کے معاصر محمد مقیم دہلی میں جامع مسجد میں سکونت رکھتے تھے عالم دین تھے اور میر عماد کے خط کے نقش پر لکھتے تھے مگر میر محمد موسیٰ سید سرہند سے تعلق رکھتے ان کو بھی دربار محمد شاہ سے توسل تھا۔

میر محمد عطا حسین خان متخلص بہ تحسین المخاطب بہ مرصع رقم طغریٰ نویسی میں تمام ہندوستان میں مشہور تھے ان کے والد محمد باقر شوق تھے جو بہت بڑے عالم تھے۔ میر محمد عطا نے شجاع الدولہ کے لئے جہاں درویش کو ریختہ ہندی میں رنگین عبارت میں لکھا تھا اور اکثر نستعلیق طرز میں بھی لکھتے تھے اور اول ابوالمنصور خان صفدر جنگ کے دربار سے وابستہ تھے نہایت اعلیٰ منشی بھی تھے مگر لوگ ان کو کاتب کی حیثیت سے عام طور پر جانتے تھے اس طرح ان کے معاصرین

میں سید اعجاز رقم خان خطاط بھی تھے جو صاحب کمال روشن قلم تھے۔

نور اللہ: نام کے بے شمار کاتب ہو گزرے ہیں اول یہاں اس نور اللہ کاتب کا ذکر مقصود ہے جس کا نام شاہی مسجد شاہ جہان دہلی کے ایوان کے باہر طاقوں پر کتبات کے آخیر "نور اللہ احمد" کے الفاظ میں جس سے مراد نور اللہ بن احمد مسجد شاہجہانی" ہے جس کا ذکر پہلے بھی گزر چکا ہے اس کے بعد شیخ نور اللہ کا نام ہے جو شاگردان عبد الرحیم میں سے تھے اور ان کے تلامذہ میں "حافظ نور اللہ" بھی تھے یعنی حافظ نور اللہ صاحب کمال تھے۔ ان سے غلام محمد ہفت قلمی نے بعد از ہنگامہ غلام قادر روہیلہ دہلی بعد نواب آصف الدولہ لکھنؤ میں ملاقات بھی کی تھی۔ لکھنؤ میں فیاض علی بن مولوی طالب حق ان کے مکان پر نہایت گرم جوشی سے ملے حافظ صاحب متواضع شخص تھے کسی قسم کا کوئی تکبر وغیرہ نہ تھا۔ اپنے لکھے ہوئے نمونے بھی دکھائے اس وقت وہاں ہفت ہند ملا جو بموجب فرمائش آصف الدولہ بہادر رشید دیلمی کے لکھے ہوئے کی نقل کر رہے تھے جس کے اندر جادو رقم کیا ہوا تھا اور خود وہ باغ بہار تھے کافی دیر تک ان کا مشاہدہ اور سیر کی باوجود کمال فن کے کسی قسم کا غرور نہیں تھا اور نہایت شیریں بیان تھے اور اخلاق پسندیدہ رکھتے تھے ان سے شاہجہان آباد کا ذکر رہا اور دیگر خوش نویساں مثل حفیظ خان، میر کلن، حکیم امیر محمد حسین وغیرہ کے احوال دریافت فرمائے حافظ نور اللہ نے ہفت قلمی سے خاص طور پر ذکر کیا کہ سنا ہے کہ آپ طرز آقا رشید کو اپنے ہمراہ اپنے شہر میں لائے یعنی اس مشتاق دیدہ کو نورانی عطا کی تو ہفت قلمی نے مرحبا کہہ کر رخصت حاصل کی دوسری مرتبہ بھی ہفت قلمی حافظ جیو کے فرمانے پر پھر ایک مرتبہ گئے اور آپ کے ہمراہ نثر لقمان حکیم جس پہ آقا رشید دیلمی کے دستخط تھے لے گئے حافظ صاحب اس کے حسن و جلی سے بہت محظوظ ہوئے اور دیر تک خط آقا رشید کے خط کا مطالعہ رہا اور اپنے ہاں سے آقا رشید کا لکھا ہوا اور اس کی سند کو پیش کیا۔ اس وقت آپ کے تلامذہ میں لالہ سرب سنگھ، میاں وجیہ اللہ بھی موجود تھے۔ حافظ نور اللہ کے بھائی حافظ خورشید بھی ہفت قلمی سے لکھنؤ میں ملے تھے اور متذکرہ بالا شیخ نور اللہ کے شاگرد خلیفہ سلطان تھے جو اکثر مسجد لطف اللہ خان صادق دہلی میں سکونت رکھتے تھے اور بعد میں علی گڈھ آگئے تھے جہاں ان کا انتقال ہوا مگر ان کا سلسلۂ تلمذ شاہ اعز الدین اور محمد عابد تک پہنچتا ہے اور یہ سب ماہرین خط نستعلیق طرز میں رشید دیلمی کی روش پر لکھتے تھے۔

اس عہد کے دیگر خطاطوں کا ذکر ہفت قلمی نے تذکرہ خوش نویساں میں جو کیا ہے ان کے اسماء یہ ہیں۔ حافظ

عبدالعلی پسر محمد علی جو بنارس میں تھے حافظ ابراہیم جو استادان خط کی اولاد سے تھے ان کے فرزند حافظ بقاءاللہ قلعہ مبارک میں لکھتے تھے۔ مولوی محمد خلیل اور حکیم میر محمد حسین جو خط نسخ میں قاضی عصمت اللہ کے تلمیذ تھے اکثر قرآن کریم لکھتے تھے اور مولانا فخرالدین پسر مولانا نظام الحق، چشتیہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے جن کا انتقال ۱۱۹۹ھ میں ہوا۔ امیر رضوی بن صاحب میر جو علاوہ خطاطی کے مصور بھی تھے آغا میرزا جو تلمیذ سید امیر رضوی تھے میرزا عباداللہ پسر میرزا عبداللہ بیگ تلمیذ سید رضوی تھے اور مولائی صاحب جو مرشد زادہ میر معظم بخت بہادر کے استاد تھے۔ محمد جان بن میاں محمد عاشوری دراصل تلامذہ میر کلن سے تھے۔ بدرالدین علی خان مخاطب المرقع رقم سب قسم کے خطوط لکھتے تھے۔ خواجہ غلام نقشبند خان خلف خواجہ یوسف اور میرزا سوز جن کا دراصل میر محمد تخلص تھا۔ عمادالملک غازی الدین خان و میرزا ارجمند عمدہ کاتب تھے

اس مختصر تذکرہ بالا بیان خط و خطاطان عہد اورنگ زیب سے لے کر ابتدا عہد انگلشیہ تک اس اہم امر کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے۔ جو ہمیں اس فن کے مطالعہ سے حاصل ہوا ہے۔ ہمارے اس معاشرہ میں خاندانی طور پر علوم و فنون نے ترقی کی ہے جسے انگریزی میں ہم بلفظ "گلڈ" تعبیر کر سکتے ہیں۔ ان تمام خاندانوں کو کوئی نہ کوئی امتیاز حاصل تھا اور وہ اسی روایات پر اسی ہنر و فن کی روایات پر تعلیم حاصل کر کے اس میں کھپ جاتے ہیں اور اسی ایک ہنر یا فن کی آبیاری ہوتی رہتی ہے مثال کے طور پر تمام تذکرہ بالا کتابت و خطاط کے ذکر میں ملتا ہے کہ انہوں نے آقا عبدالرشید دیلمی کے نقش قدم یا روش پر خط نستعلیق کو لکھا ہے خود بخود خاندان اس فن اور اس صفات سے متعین اور مستند ہو گئے۔ مثال کے طور پر ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ کفایت خان جس کا اصل نام جعفر خان تھا اس نے خط شکستہ کا احیا کیا اور اس کی روش یا طرز پر اس کے لڑکے عبداللہ نے اسے سنبھالا اور اسے درایت خان کے خطاب کی وجہ "درایت خانی" لکھا ہے اور کفایت خان کے والد کا نام محمد مقیم جو بندہ محمد حسین تھا۔ بلکہ کفایت خان کے دیگر فرزند محمد اکبر یا اکبر علی، محمد موسیٰ۔ میاں لعل خان۔ نے اپنے دادا کے پیشہ خطاطی کی روایات کو برقرار رکھا اور آخیر تک اس خاندان کے افراد بھی علم کتابت سے ہی متصف رہے اور اسی پر ہمیشہ قناعت کی۔

کتابت قرآن کریم

عربی رسم الخط کو اس کے اصل رسم الخط نسخ میں عام طور پر لکھنا اور پھر قرآن کریم کا عربی طرز میں خاص طور پر لکھنا ایک خاص ماہرانہ قابلیت کا مسئلہ تھا اور جب کہ قرآن کریم کا لکھنا مقصود ہوتا تو اس کے لیے عربی زبان سے کسی قدر واقفیت

ضروری سمجھی جاتی تھی اور اس کے علاوہ قرآن کریم کے ساتھ ایک خاص قسم کی مزاولت اور فنی قابلیت بھی درکار تھی یہی وجہ ہے کہ عہد مغلیہ میں آہستہ آہستہ جبکہ سلطنت کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا اور خط کی کئی طرزوں نے وسعت سلطنت میں خاص حیثیت اختیار کر لی جن میں خصوصیت سے خط نستعلیق، شکستہ اور دیوانی طرزیں شامل ہیں تو عربی کا لکھنا خود بخود مسلمانوں کے لئے مخصوص ہو گیا اور ان ماہرین کی حیثیت ہی الگ تھی اور ان کو عربی زبان بھی آتی تھی بلکہ ابتدا ہی سے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم لکھنے والوں کو ابن ندیم متوفی ۳۷۹ھ جنہوں نے اپنی کتاب "الفہرست" میں کاتبان قرآن کہہ کر الگ ہی بیان کیا ہے اور اسی کو مدنظر رکھ کر رسم الخط قرآن، و "رسم المصحف" کے عنوان سے ابتدا میں بعض محققین نے تجربہ کی بنا پر کتابیں بھی لکھی گئی ہیں جن میں سے خاص کر محمد طاہر یزیدی اور محمد بن محمود سمرقندی کی کتابیں قابل مطالعہ اور عمل ہیں اسی طرح تجربہ اور ضرورت کو مدنظر رکھ کر "رموز مصاحف" برائے وقف و رموز رسائل لکھے گئے ہیں یہ مخطوطہ آج کتاب خانوں میں محفوظ ہیں اور میرے نزدیک ان کتابوں کی افادیت اسلئے بھی نہ زیادہ محسوس کی گئی جبکہ دیگر عقائد کے لوگوں نے بھی عربی لکھنے کی جرأت کی مگر ان کو کامیابی نہ ہوئی۔

میں نے متذکرہ بالا صفحات میں خط بہار جس میں عموماً قرآن کے بے شمار نسخے مختلف مجموعوں میں ایک خاص طرز میں آج بھی موجود ہیں دراصل یہ تمام قرآن اسی طرز میں وصلی بنائے ہوئے کاغذ پر لکھے گئے ہیں اگرچہ آسانی سے اس کی تمیز نہیں ہو سکتی اور ان قرآنوں کے نسخوں کا ہر ورق کو وصلی بنایا ہوا ہے اس وجہ سے اساتذہ نے ان نسخوں کو "بہار" کے لفظ سے تمیز کیا ہے اور عوام میں بعض اوقات لفظ بہار کو غلطی سے ہندوستان کے صوبہ بہار سے تعبیر کرتے ہیں۔

مگر ہمارے ہاں قرآن کے کاتبوں کو عموماً بطور تمیز "نساخ" کہتے ہیں کیونکہ قرآن کریم عموماً خط نسخ کی طرز میں لکھا جاتا ہے اتفاق سے ایک رسالہ مطبوعہ بنام "اصول نسخ" کے نام لکھنؤ میں باہتمام اسحاق علی علوی ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۷ء الناظر پریس لکھنؤ میں چھپ کر شائع ہوا جس کے مصنف محمد حامد علی صاحب مرصع رقم ابن مولانا حضرت مولوی شیخ محمد علی صاحب محدث مرحوم لکھنوی ہیں اور یہ رسالہ وہاں اسحاق علوی کی معرفت شائع ہوا۔ اس رسالہ میں وہ لکھتے ہیں۔

"بعہد اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ محمد عارف نے جو یاقوت رقم ثانی
کے خطاب سے ممتاز ہیں یاقوت مستعصمی کے طرز تحریر میں بہت کچھ تراش خراش
تغیر و تبدل کر کے ایک خوش نما معشوقانہ صورت نسخ پیدا کی اور شائع کی۔

جس کو تمام روئے زمین کے خوشنویسوں نے بہت پسند کر کے اس کی اتباع کی اور اب تک اسی کی پیروی اور تقلید برابر کی جا رہی ہے، پھر ان کے برادر زادہ قاضی عصمت اللہ نے انہیں کے تلمذ سے بہت کچھ ان کی شان کو رونق دی اور برادر زادہ کے لقب سے مشہور نامی سر آوردہ خوشنویس نسخ کے ہوئے اگر ان کو یاقوت ثالث کہا جائے تو زیبا اور درست ہے، یاقوت ثانی کے زمانے میں عبدالباقی حداد بڑے باکمال پر زور قلم کے خوش نویس تھے یہ آلات حرب و اسلحہ کی ساخت میں بے مثل تھے۔ پیشہ حدادی سے بسر اوقات کرتے تھے محمد عارف کے ہم عمر اور دوست ایام طفولیت سے تھے ان کی مرجعیت عامہ اور وقار تامہ کو دیکھ کر انہیں حسد اور غبطہ ہوا اپنے پیشہ حدادی کو بمقابلہ خوش رقمی ذلیل اور بے وقعت سمجھ کر کشیدہ رو ہوئے اور عبداللہ طباخ سے جو اعلیٰ درجہ کے باکمال اور پر زور خوش نویس تھے اس فن کو حاصل کرنے لگے اصلاح لے کر لب دریا جاتے اور تمام روز پتھر پہ آب دریا سے بجائے مداد مشق کرتے چونکہ بندہ فیاض کے یہاں بخل نہیں بخت کی یاوری اور محنت شبانہ روزی سے جواب وہ یاقوت رقم کے زور قلم میں ہوتے طرز تحریر ان کا جداگانہ تھا۔ ان کے بعد ان کے دو فرزند علی اکبر اور علی اصغر اپنے باپ کی تعلیم سے اعلیٰ درجے کے نسخ نگار ہوئے۔ برادر زادہ کے تلامذہ میں سے حضرت شاہ غلام علی خلیفہ حاجی محمد تقی مہونوی قدس سرہما سے باکمال نسخ کے خوش نویس تھے ان کے یادگار دو فرزند میر اکبر علی اور میر کبیر علی ان کے بعد رہے۔ شاہ غلام علی میں علاوہ ان کمالات صوری و معنوی کے یہ بھی کمال بمقتضا سے درویشی تھا کہ جب شغل و ذکر الٰہی سے فارغ ہوتے بہ تحریر قرآن مجید مصروف ہو جاتے بعد تمامی جو اس کا اہل اور حاجت مند

استدعا کرتا اس کو مرحمت کرتے تمام عمر یہی طریقہ ان کا جاری رہا ۱۱۰۶ھ میں ان کی وفات ہوئی اسی دور میں نواب احمد قلی خاں عرف مرزائی صاحب بڑے استاد کامل نسخ کے ہوئے ان کے بعد ان کے نواسے میر بندہ علی مرتعش بڑے درجہ کے نسّاخ تھے اور اس فن کے معلومات میں عدیم النظیر ایک سو برس کی عمر پاکر ۱۲۸۳ھ رخت سفر آخرت باندھا اس مصرعہ سے سن انتقال ان کا ہویدا ہے ع " آہ یاقوت رقم شد بعدم " ان کے بعد آغا محمد اور محمد میرزا اور مولوی محمد مہدی انہیں کی شاگردی سے نسخ میں یدطولےٰ رکھتے تھے مولوی محبوب علی صاحب کا لکھا ہوا قرآن پاک صحت میں ضرب المثل ہے۔ مولوی محمد مہدی کی کتابت سے ہے اسی زمانہ میں مولوی محمد یحییٰ مہاجر مکہ معظمہ بھی مشاہیر نسخ نگاروں سے تھے جنہوں نے پہلا قرآن والیٔ ملک کے حکم سے لکھا اور راٹرچ انگریز نے اپنے ایجاد کردہ چوبی پیچ پر صرف سو جلدیں چھاپیں اور یہ اپنے بھائی مولوی ذکریا کے شاگرد تھے ادھر حافظ خورشید برادر حافظ نور اللہ کا فیض جاری تھا اور منشی عبدالحیؑ سندیلوی مشہور و معروف تھے ان کے تلامذہ میں سے میر طفیل احمد بلگرامی اچھے نسخ نگار تھے اسی عہد میں مولوی محمد ہادی لکھنوی بن مولوی محمد مہدی لاہور کی نسخ نگاری طغریٰ نویسی اور نستعلیق میں سب سے زیادہ شہرت تھی یہ قریب سو برس زندہ رہ کر ۱۲۸۹ھ میں راہیِ ملک بقا ہوئے مادہ تاریخ وفات ان کا " خوش نویس مرد " ہے یہ میر اکبر علی ساکن کالپی کے شاگرد تھے یہ سب پیرو و متبع شان یاقوتی تھے ان کے تلامذہ سے مسود اوراق ہے (یعنی محمد حامد علی خاں) جن کو لوگ خط نسخ میں اپنے حسن ظن سے ان کا یادگار تصور کرتے ہیں اور دہلی میں بزمانہ آخیر میں حافظ امیر الدین مرحوم بھی بہادر شاہ ابو ظفر کے تعلیم یافتہ کامل خط نسخ میں تھے

جن کا انتقال ۱۳۲۵ھ میں ہوا۔ ان کے علاوہ بہت سے خوشنویس نسخ میں
مثل منشی محمد حفیظ، مولوی محمد صالح، منشی محمد جعفر وغیرہ کے نامی گرامی ہوئے کہ
ان کی ذات سے یہ فن ترقی پذیر رہا صرف ان کے اسمار کی تحریر کو دفتر چاہیئے۔"

مولانا غلام محمد ہفت قلمی نے بعض مشہور اور معاصر نساخ کاتبوں یعنی قرآن کریم کے لکھنے والوں کا ذکر بھی اپنے تذکرہ خوش نویساں میں کیا ہے جن میں سے خاص کر شاگردان یاقوت یعنی محمد عارف کے تلامذہ یا اس سلسلہ نساخی کو برقرار رکھنے والوں میں محمد افضل، محمد عسکرہ۔ میرزا افضل اللہ وزین الدین تھے جنہوں نے محمد عارف کے برادرزادہ عصمت اللہ کے تلامذہ میں سے کلوخان اور عرف غلام حسین تھے جو اپنے فن میں بے مثل تھے خاص کر نسخ کے لکھنے میں وہ یاقوت کی روش پر لکھتے تھے کوئی ان کا ثانی نہ تھا اور اپنے آپ میں متقی متورع باخلاق حمیدہ و اوصاف پسندیدہ کے مالک تھے، اسی زمانہ میں قاضی عصمت اللہ خاں نے جو ایک طرح خط نسخ کو یاقوت سے بلند لے گئے تھے خاص کر کلام اللہ۔ حمائل ہفتی وقطعہ وغیرہ بھی لکھتے تھے ان کا انتقال ۱۱۸۶ھ میں ہوا ان کے بھائی قاضی فیض اللہ اکثر کلام اللہ روشنائی مرکب سے خوب لکھتے تھے اور ان کے صاحبزادہ عباد اللہ خاں تھے اور ان کے تلامذہ میں سے میر گرانی مغلپوریہ خوب لکھتے تھے مگر قاضی فیض اللہ کے تلمیذ حافظ ابوالفیض تھے جن کے خط میں خاص شیرینی تھی اور اوائل عمر میں وہ میرزا اکبر شاہ بہادر کے استاد بھی تھے۔ میر کرم علی سید الصفات تھے ان کو عربی زبان وعلم طب میں خاص دسترس تھی۔ اسی طرح حافظ مسعود ایک متقی مرد تھے مگر ان کے متعلق مشہور ہے کہ خط لاہوری امیرا اختیار کردہ" اور سرکار نواب ضابطہ خاں دوہیلہ خلف نجیب الدولہ امیر الامراء سے وابستہ تھے نواب ضابطہ خاں کا انتقال ۱۲۰۰ھ میں ہوا تھا۔ عنایت اللہ بروص قاضی عصمت اللہ کے تلمیذ تھے اور ان کا خط نسخ دراصل لاہوری آمیزش پر تھا اور اکثر مسجد عنایت اللہ خاں دہلی چاندنی چوک میں نشست رکھتے تھے مگر میر امام علی بن امام الدین سادات میں سے تھے، طبیب بھی تھے اور اکثر خط نسخ روش قاضی عصمت اللہ پر لکھتے تھے اور سرکار شہزادہ میرزا ابوظفر ولی عہد بہادر سے منسلک تھے اور دیگر خوش نویسوں میں ممتاز تھے ان کے صاحبزادے میر جلال الدین ہمیشہ اپنے والد کی روش پر خط نسخ لکھتے تھے اور ان کے معاصرین میں حکیم محمد حسین تھے جو احمد تبریزی کی روش پر خط نسخ لکھتے تھے۔ میاں محمدی جواں، صالح، متقی، خوش منظر تھے جو تلامذہ خاص عصمت اللہ تھے اور عام طور پر قاضی عصمت اللہ کی روش پر لکھتے تھے انہوں نے دو یا تین کلام اللہ لکھے اور خط کو اعلیٰ درجہ پر لے گئے تھے، ان کی

اولاد میں سے سرکار نواب حسن رضا خاں بصیغہ اوستادی اولاد نواب موصوف ہوئے ہیں

قریب قریب متذکرہ بالا نساخوں کے ذکر کی معاصرانہ حیثیت سے لاہور میں بھی اس زمانہ میں نساخوں کا ایک خاص مرکز تھا مگر یہاں زیادہ تر اس قسم کے کاتب کو صحاف کے لفظ سے بھی پکارتے تھے، اور اس کے لئے لاہور میں مسجد وزیر خاں ایک خاص علمی ادارہ تھا جن کو تاریخ میں لالہ کنہیا لال نے اس قسم کے کاتبوں کو صحاف کے لفظ سے بیان کیا ہے جس کے معنی یا تشریح یوں کرنی چاہیئے کہ جو کتابوں کو درست کرتے مگر عام طور پر صحاف جلد ساز کے لئے بھی موزوں لفظ ہے اور لفظ "صحیفہ" اکثر آسمانی کتابوں سے بھی مراد لی جاتی ہے اور اس طرح عربی خط سے عربی لکھنے والا "نساخ" کہا جاتا ہے اور بعض اوقات اسے وراق بھی کہا جاتا ہے چنانچہ لالہ کنہیا لال نے بیان کیا ہے کہ فارسی خوش نویس میاں پیر بخش کوفت گر تھا۔ اس کی عزت تمام امرائے دربار خود مہاراجہ رنجیت سنگھ کرتا تھا۔ مولوی فضل الدین صحاف نہایت عمدہ عربی و فارسی جو اس وقت زندہ تھا نہایت عمدہ لکھنے والا تھا۔ یہ خاندان لاہور میں چوہٹہ مفتی باقر میں رہتا تھا اس کی لکھی ہوئی حمائل یعنی چھوٹے سائز کا قرآن کریم لندن میں طبع ہوئی تھی۔ لاہور میں انہوں انہوں نے خود ایک "مطبع" "صحافی" کے نام سے قائم کیا ہوا تھا۔ ان کا انتقال سنہ ۱۹۰۰ء میں لاہور میں ہوا اور ان کے صاحبزادے محمد بخش صحاف تھے۔ ان کا ادارہ کتابت لاہور میں خاصی شہرت رکھتا تھا۔ یہ خاندان بطور صحاف کافی شہرت رکھتا تھا۔

غلام محی الدین زینت رقم خط نسخ لکھنے میں کافی مشہور تھے اور ان کا لکھا ہوا قرآن کریم کا نسخہ عام طور "اعجاز الصنعت" کے نام سے مشہور تھا اور التزام یہ تھا کہ ان کے لکھے ہوئے قرآن کریم کے نسخہ کے صفحہ پر تیرہ سطریں ہوں اور حزف میں بھی خاص التزام رکھا گیا تھا غرضکہ اس وجہ سے خاصے مشہور تھے۔

یہ محض اتفاق تھا کہ میں جب سنہ ۱۹۱۵ء میں جنوری کے مہینہ میں لدھیانہ بسلسلہ ملازمت گیا تو وہاں اتفاق سے سلطان القلم منشی محمد قاسم لدھیانوی سے ملاقات ہوگئی جو بحیثیت کاتب قرآن زیادہ مشہور تھے اور اس سے چند سال پیشتر وہ ایک خاص نسخہ قرآن کریم کو مطلا و مذہب کر کے لکھ چکے تھے جو چھپ بھی گیا اور لدھیانہ ایک صاحب حاجی اصغر علی نے، اسے چھاپ کر امیر حبیب اللہ والی کابل سنہ ۱۹۰۹ء میں پیش کیا تھا۔ یہ زمانہ ایسا تھا کہ ابھی تک چھپائی نے اس قدر ترقی نہیں کی تھی جس طرح ہم آج دیکھتے ہیں تاہم اس وقت وہ مطبوعہ قرآن کریم بڑے سائز اور کئی رنگوں میں بہت بڑا کارنامہ سمجھا جاتا تھا اور بہت مقبول بھی ہوا تھا میں نے لدھیانہ جانے سے پیشتر بھی اسے دیکھا تھا۔ دوران قیام

لدھیانہ جناب منشی محمد قاسم صاحب سے دوستانہ مراسم بھی ہو گئے ان کو مچھلی کے شکار کا بہت شوق تھا جس کے لئے ہم اکثر ستلج پر جایا کرتے تھے اور وہ خود اپنے ہاتھ سے مچھلی پکڑنے کا کانٹا بنایا کرتے تھے جو ایک بہت بڑا کارنامہ تھا۔ کیونکہ اس کے لئے لازمی تھا کہ ایک قسم کی آبداری کانٹے کو دی جائے جس کے وہ ماہر تھے۔

انہوں نے فن کتابت کو منشی ممتاز علی نزہت رقم دہلوی سے حاصل کیا تھا۔ ۱۹۲۲ء کے بعد میں لدھیانہ سے لاہور چلا آیا اور منشی محمد قاسم کا خاندان پاکستان بن جانے کے بعد ۱۹۴۷ء میں لاہور آگیا تھا۔ وہ خود ضعیف تھے مگر یہاں انہوں نے پاکستان آکر انجمن حمایت اسلام لاہور کے لئے قرآن کریم کی کتابت شروع کی تھی اور ابھی چار پانچ پارے ہی لکھے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا اور اس قرآن کی باقی کتابت ان کے بڑے صاحبزادہ منشی محمد شفیع صاحب کے ہاتھوں انجام کو پہنچی ان کے لڑکے محمد شفیع نے نہایت عمدگی سے یہ فریضہ انجام دیا کہ باپ اور بیٹے کی کتابت میں کوئی فرق آتا، مگر اس سے بیشتر مرحوم محمد قاسم حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی کے مترجم قرآن کریم کی بھی کتابت کر چکے تھے جسے بجنور کے ادارہ مدینہ نے شائع کیا تھا۔ آخر ان کے دوسرے فرزند محمد شریف نے لاہور میں ادارہ پیکجس لمیٹڈ کا قرآن شروع کیا جو ابھی پوری طرح پایہ تکمیل کے آخری مراحل طے کر رہا تھا کہ ان کا انتقال ہو گیا اور اس قرآن کریم کے باقی تمام مراحل کتابت کو محمد شریف کے تلمیذ جناب حافظ محمد یوسف سدیدی صاحب نے انجام دیا۔

اسی طرح ہماری تاریخ میں اکثر صاحب فن خاندانوں کے تذکرے مضمر ہیں کہ ایک نمونہ فن کی صحیح تاریخ کا اگر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ایک صحیح نمونہ فن کو انجام دینے کے لئے ایک خاندان کے کئی افراد نے اسے انجام دیا ہے اور یہ سب صفت اور صحیح تاریخ دراصل مشرق میں علوم و فنون کی ہے۔

ہمارے زمانہ میں خاص کر پنجاب میں ضلع گوجرانوالہ کے علاقہ سبریال۔ ایمن آباد۔ عادل گڈھ۔ کوٹ وارث اور سودھرہ کے نساخ یعنی قرآن کریم کے لکھنے والے مشہور تھے جن کی اپنی ایک خاص تاریخ ہے اور ان کاتبوں نے قرآن کریم کی اشاعت میں خاص کردار ادا کیا ہے ان میں سے خاص کر قابل ذکر کوٹ وارث کے مولوی عبداللہ اور ان کا خاندان جن میں سے مولوی عنایت اللہ قابل ذکر ہیں مگر عادل گڈھ کے مولوی عبدالرشید عام طور پر فیروز سنز کے ہاں قرآن کریم کی کتابت کرتے رہے اسی طرح ان کے بھائی محمد حسین بھی تھے مولوی عبداللہ وارثی کے تلامذہ میں سے حضرت پیر عبدالحمید بھٹی قابل ذکر ہیں جنہوں نے ادارہ تاج کمپنی لمیٹڈ کے کئی قرآن کریم لکھے جب انہوں نے ۱۹۳۰ء میں اوّل قرآن لکھا تھا

تو اس کے لئے انہوں نے مفتی کفایت اللہ دہلوی سے بھی اس پر رائے لی تھی مولوی محمد دین جو دراصل سبز پال کے ضلع سیالکوٹ کے باشندہ تھے مگر زیادہ تر دہلی میں رہے اور کئی قرآن کریم لکھے اور ان کی اولاد میں بھی یہ فن کتابت ان کے بعد موجود رہا مگر آپ کے تلامذہ میں سے منشی رحیم اللہ اور منشی رضی الدین قرآن لکھنے میں مشہور تھے۔

ممکن ہے خاصکر عربی رسم الخط سے متعلق مصر و شام اور بغداد کے چند نسخے لکھے ہوئے اور چھپے ہوئے یہاں میسّر آجائیں گے مگر ہمارے ماحول کے مطابق وہ ممکن ہے کسی حد تک مفید نہ ہوں مگر خالصاً پاک و ہند میں عربی رسم الخط پر کم توجہ دی گئی ہے کیونکہ زیادہ یہاں برٹش گورنمنٹ نے خاص کر آسان نستعلیق طرز کو سکولوں میں فروغ دیا اس لئے عربی کی طرف کم توجہ دی گئی ہے تاہم خوش قسمتی سے پاکستان بن جانے کے بعد یہاں ایک کتاب "تحفہ خطاطین" کے نام سے کراچی سے شائع ہوئی جس میں عربی خوشنویسی کے اصول و قواعد مفردات و مرکبات کو اساتذہ کے نادر و دلکش نمونوں سے لے کر بصورت مرقع شائع کر دیا گیا ہے جو ہمیں ایک طرح عربی یعنی قرآن کریم کے نظم و ضبط خط کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

چند غیر مسلم کاتب یا ماہرین خطاط

خصوصیت سے عہد مغلیہ میں بعض غیر مسلم تعلیم یافتہ حضرات نے بھی بطور امتیاز کے خطاطی میں مشق ہی نہیں کی بلکہ انہوں نے باقاعدہ اپنا روزمرہ کا مشغلہ بنایا چنانچہ اکبر کے زمانہ سے اس کے دربار میں اس کا وزیر راجہ ٹوڈرمل اور رائے منوہرداس اعلیٰ درجہ کے خوش نویس تھے چونکہ یہ فن زیادہ تر فارسی کے علم پر موقوف تھا اس لئے بھی ان میں فارسی کا عام رواج ہو گیا تھا جو دراصل دربار مغلیہ کی سرکاری زبان تھی بلکہ اس فن خوش خطی پر جگت نرائن متوفی سنہ ۱۲۱۲ھ نے ایک رسالہ تعلیم المبتدی کے نام سے تصنیف کیا اگرچہ ہندوؤں نے زیادہ انشاء و سیاق و وقائع نگاری اور خوش خطی پر لکھا اور ان شعبوں اور فنون میں وہ اکثر امراء کے ہاں ملازم بھی رہے اور کتابیں بھی لکھی ہیں یہی وجہ ہے کہ اکثر نامور ہندو منشی ہوتے ہیں خوشخطی میں اکثر ہندوؤں نے خط شکستہ میں نام پیدا کیا جن میں خاص کر چندر بھان برہمن، رائے پریم ناتھ، لچھمن سنگھ غفوری وغیرہ کافی مشہور ہیں مگر غلام محمد ہفت قلمی نے اپنے تذکرہ خوش نویساں میں بعض خوش نویسوں کا ذکر بھی کیا ہے جس میں خاص کر راجہ امید سنگھ، راجہ شیر سنگھ پسران راجہ بہادر سنگھ نبیرگان راجہ ناگرمل شاگردان رائے پریم ناتھ۔ کنور پریم کشور نبیرہ راجہ جگل کشور جو اپنے خلق اور مروت کی وجہ سے معروف تھا خاص کر خط شکستہ میں عموماً رائے پریم ناتھ لکھتا تھا اس نے چند مثنویات فارسی بھی تصنیف کی تھیں راجہ نند رام پنڈت منشی مشہور خط شکستہ طرز ابوالبرکات خاں کے نقش پر خوب لکھتا تھا۔ لکھنؤ میں

سرکار نواب حسن رضا خاں کے ہاں ملازم تھا۔ لچھمن سنگھ منشی بقال قوم سے تھا وہ عربی و فارسی میں دسترس رکھتا تھا، اسے اکثر اہل ایران کی صحبت میں بیٹھنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ لالہ لچھمی رام پنڈت منشی بے نظیر کاتب تھا۔ اسے عربی و فارسی میں دسترس رکھتا تھا اسے اکثر اہل ایران کی صحبت میں بیٹھنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ لالہ لچھمی رام پنڈت منشی بے نظیر کاتب تھا اسے عربی و فارسی میں خوب دسترس تھی بلکہ مصوری بھی تھا وہ روزگار عمدہ سرکار ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خاں بہادر و دیگر امرا اس کی عزت کرتے تھے نہایت باسلیقہ انسان تھا۔ اس کی وفات کی تاریخ "رفت لچھمی رام صد حیف از جہاں" مصرعہ سے ۱۲۲۸ھ نکلتی ہے خوش وقت رائے دائگی قوم کھتری صاحب ثروت و صاحب ہمت تھا۔ رای سرہ رائے قوم کانستھ سے تھا اور الہ آباد اس کا وطن تھا۔ لالہ درگا پرشاد بن لالہ دینا ناتھ خط شکستہ و نستعلیق کی تعلیم دراصل غلام محمد ہفت قلمی سے حاصل کی تھی۔ شنکر نوساری نبیرہ رائے گوپی ناتھ دیوان عبدالاحد خاں، مختار کاروبار تھا۔ خط شکستہ خوب لکھتا تھا۔ اس نے دراصل اصلاح مولوی حیات علی سے لی تھی اور آہستہ آہستہ شکستہ کفایت خاں کی روش پر لکھتا تھا۔ شنکر ناتھ کشمیری پنڈت تھا۔ نہایت جواں سال خلیق، سعادت شعار تھا۔ شاعری میں نادر تخلص کرتا تھا۔ اس نے بھی غلام محمد ہفت قلمی سے خط کی تعلیم لی تھی اور خط شکستہ میں مولوی حیات علی سے علم حاصل کیا۔

ویسے یہ حقیقت ہے کہ اس متاخر زمانہ میں خط نے روزمرہ کے معمولات میں بھی ایک عام شکستہ شکل اختیار کر لی تھی جیسا کہ اس بحث کے ابتدا میں واضح کیا ہے کہ فنون نے اس عہد میں پابندیوں سے ہٹ کر ذرا ایک آزاد صورت اختیار کر لی تھی اور لوگ زیادہ تر روایات کے پابند بھی نہیں رہے تھے اس کا ثبوت اس سے بھی ملے گا کہ اس عہد میں اکثر کتابیں بھی خط شکستہ میں لکھی گئیں اور اسی خط میں طبع بھی ہوئیں۔ بہر حال صحیح نستعلیق نہیں رہا۔ اس کی ایک ضرورت بھی پیش آئی کہ دیوانی کی عام ضرورت نے اس عمل پر مجبور کیا۔

غدر سے قبل بعض خطاط

یہ عہد میرے نزدیک ایک طرح ۱۸۲۰ء سے لے کر ۱۸۵۷ء تک تصور کرنا چاہیئے جو اصولی طور پر ایک طرح انحطاط کا زمانہ تھا اور روایات فن میں خاصا تغیر آچکا تھا جیسا کہ اوپر بھی اشارہ کیا گیا ہے غلام محمد ہفت قلمی نے خاص کر اس ضمن میں میر پنجہ کش محمد امیر رضوی کا ذکر کیا ہے جو پنجہ کش کے لقب سے مشہور تھے کیونکہ اب ہنر پنجہ کشی۔ کشتی مصوری و صحافی اور سنگ تراشی میں کامل دستگاہ رکھتے تھے اور اس زمانہ میں پریس جاری ہو چکا تھا اور اس وجہ سے بھی

کاتب لوگ کئی قسم کے متعلق پیشے اختیار کر لیتے تھے خاص میر پنجہ کش نے غلام محمد ہفت قلمی کے مشورہ سے نستعلیق طرز میں عبدالرشید دیلمی کا انداز اختیار کیا تھا اور ان کے نوشتہ کو ایک خاص امتیاز بھی حاصل تھا انہوں نے مہاراجہ الور کی فرمائش پر گلستان سعدی کا نسخہ بڑی محنت سے لکھا تھا جسے راقم نے الور میں ۱۹۴۶ء میں خوب دیکھا ہے۔ غدر ۱۸۵۷ء میں آپ کو گولی کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ آپ کے تلامذہ میں آغا میرزا تھے آپ نے خط نستعلیق میں امتیاز حاصل کیا۔ ان کی روش پر لکھنے والے مولائی صاحب تھے اور "آقا ثانی" کا خطاب بھی ملا تھا۔ محمد جان بن میاں محمد عاشوری دراصل میر کلن کے تلمیذ تھے اور سرکار ابو ظفر ولیعہد بہادر میں خطاطی کرتے تھے۔ بدرالدین علی خاں مخاطب مرصع رقم حکاکی میں بے بدل تھے خط کو تمام طرزوں میں لکھتے تھے اور مہر کن بھی تھے۔ خواجہ غلام نقشبند خاں خلف خواجہ یوسف خط نستعلیق و شکستہ وغیرہ میں خوب لکھتے تھے۔ میر سوز تخلص "محمد میر" تھا۔ درویش صفت شاعر بھی تھے۔ عمادالملک غازی الدین خاں وزیر امور مملکت کے خطاطی بھی کرتے تھے۔ مرزا حمید خط شفیعہ لکھتے تھے۔ میر جلال الدین عام طور پر خط نسخ لکھتے تھے۔ عباداللہ بن مرزا عبداللہ بیگ دراصل میر پنجہ کش کے تلمیذ تھے مفتی صدرالدین آزردہ مشہور عالم تھے۔ ان کے غالب سے گہرے تعلقات تھے۔ محمد حسین دراصل احمد تبریزی کی روش پہ لکھتے تھے ان کے معاصر محمد ہادی لکھنؤ میں سکونت رکھتے تھے۔

طرز نستعلیق کا رواج

برٹش حکومت نے پاک و ہند میں ۱۸۵۷ء یعنی ۱۲۷۲ھ کے بعد مستقل تسلط حاصل کر لیا تھا اور فوراً اینگلو ورنیکولر سکول بھی قائم کر دیے گئے اور سکولوں میں اردو تعلیم کے لئے خطاطی کی تعلیم بھی دی جانے لگی جس کے لئے عام طور پر بطور نمونہ خطاطی سلیپ کاپیاں بھی مقامی کاتبوں نے برائے تعلیم ان کو ہر صوبہ میں نستعلیق طرز پر تیار کیا اور یہی طرز نستعلیق جو عام طور پر سکھائی جاتی تھی اور اسی طرز پر بعض ماہرین نے ان سلیپ کاپیوں کے علاوہ بعض ماہرین نے رسالے بھی لکھے۔ چنانچہ میرے سامنے اس وقت مندرجہ ذیل رسالے ہیں جو دراصل نستعلیق طرز پر عوام کی سہولت کے لئے تیار کئے گئے ہیں۔

۱۔ ارژنگ چین۔ مصنفہ منشی دیبی پرشاد ؔ جو مطبع نولکشور لکھنؤ جس میں نستعلیق طرز کے علاوہ اس کے ابتداء میں ایک مقدمہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ۔

۲۔ اعجاز رقم مصنفہ شمس الدین اعجاز رقم، لکھنؤ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے شمس الدین اعجاز رقم نے ۱۹۱۵ء میں لکھا تھا یہ رسالہ جس کا نستعلیق بے مثل ہے اور اس کے بعد کئی بار چھپ چکا ہے۔

۳۔ مشق نستعلیق کا حصہ دوم میرے سامنے ہے جو ۱۸۹۳ء میں چودھویں دفعہ چھ ہزار تعداد میں چھپی ہے اور خاص کر لاہور میں منشی گلاب سنگھ نے سررشتہ تعلیم کے صاحب ڈائریکٹر کے حکم سے چھاپی ہے۔

۴۔ گلدستہ ریاض المعروف بہ مشق نگار بن جسے شیخ نور اللہ بن جیوا خاں نے مطبع صفدری بمبئی میں چھاپا ہے مگر اس کے اندر جو نمونے خطاطی نستعلیق میں ہیں۔ کاتب محمد باقر جادو رقم تلمیذ منشی شمس الدین اعجاز رقم نے لکھا ہے۔ محمد واجد علی شیریں رقم استاد منشی شمس الدین اعجاز رقم۔ نثار احمد بریلوی۔

۵۔ گلدستہ نگارین جو باہتمام فیاض الدین آگرہ سے شیخ ریاض الدین تاجر کتب نے شائع کیا۔ اس میں ایوب حسین اکبرآبادی کی مشق ۱۹۱۶ء ہے انہوں نے آخیر لکھا ہے۔ تلمیذ منشی مجید حسین جلال ۱۹۱۶ء۔

۶۔ گلدستہ ریاض حسین المعروف بہ مشق بمبئی مطبع کریمی میں قاضی عبدالکریم ابن قاضی نور محمد مالک مطبع کریمی ۱۳۲۰ھ میں طبع ہوا یعنی ۱۹۰۲ء میں طبع ہوا۔ اس رسالہ میں کاتب نے اپنا نام بعض نمونوں کے نیچے "ناظم آثم" لکھا ہے جن کا پورا نام سید ناظم حسین رضوی تھا۔

۷۔ پنجہ نگارین لکھنؤ سے محمد اسمٰعیل برادر خورد محمد ابراہیم تاجر کتب کے اہتمام سے محمد ابراہیم کی فرمائش پر طبع ہوا جس کے آخر عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ منشی محمد شمس الدین اعجاز رقم سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

ہمارے پنجاب میں مطبع منشی گلاب سنگھ لاہور میں جتنا بھی خط نستعلیق ابتدا میں کام ہوا اور سکولوں وغیرہ کے لئے سلیپ کاپیاں وغیرہ لاکھوں کی تعداد میں طبع ہوئیں وہ سب 'نتھو' کاتب کی لکھی ہوئی تھیں۔ ان کا اصل نام منشی عبدالغنی تھا مگر نتھو لقب سے مشہور تھے۔ انہوں نے ابتدا میں کرنل ہالرائڈ ڈائریکٹر محکمہ تعلیم پنجاب کے لئے کتابوں کو خاص نستعلیق طرز میں لکھا۔ ان سے دراصل حاجی دین محمد اور خلیفہ نور احمد نے خطاطی میں تلمذ طے کیا مگر اسی زمانہ میں لاہور میں ایرانی کاتب امام ویروی موجود تھے جو دراصل کابل نژاد تھے وہ واقعی نستعلیق لکھنے میں "امام" تھے۔ میں نے ان کے اکثر نمونے خطاطی دیکھے ہیں خاص کر یہاں لاہور میں نثار حویلی نواب صاحب میں بڑے سائز پر بعض مرثیے جلی قلم میں لکھے ہوئے دیکھے ہیں۔ ان کا انتقال یہاں ۱۸۸۳ء میں ہوا۔ لاہور میں وہ نواب شیخ امام الدین خاں کے ہاں مقیم تھے اور خاص کر نواب صاحب کی مسجد واقع سوتر منڈی کے قریب جو دراصل نواب صاحب کی اپنی حویلی کے قریب ہے۔ اس کی دیواروں پر مختلف رنگوں میں کتبات لکھے۔ ان کے معاصرین میں ایک شخص محمد بخش کاتب و مصور تھا جس نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے لئے

ایک نسخہ کریما سعدی" تیار کیا تھا جو مطلا و مذہب تھا مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اسے بہت انعام دیا تھا۔

ہم نے متذکرہ بالا سطور میں حاجی دین محمد کا ذکر کیا جنہوں نے تمام عمر کتابت کی خدمت میں گذار دی اور ان کا انتقال ۱۹ اگست ۱۹۷۱ء میں لاہور میں نوّے سال کی عمر میں ہوا، مگر ان کے معاصرین میں عبدالمجید پروین رقم تھے جو اپنی خاص طرز میں لکھتے تھے ان کا انتقال ۱۹۴۹ء میں ہوا۔ اور ان کے معاصرین تاج الدین زریں رقم تھے جو اپنے زمانہ میں خاص کر نستعلیق میں مشہور تھے ان کا انتقال ۱۹۵۵ء میں ہوا۔

ہم نے ابتدا سے دیکھا کہ لاہور میں خاص خاص اداروں کے اپنے اپنے کاتب ہوتے تھے ان میں منشی اسداللہ باشندہ ضلع اناؤ (یوپی) تھے لاہور میں ۱۸۹۰ھ میں آئے اور یہیں قریب نوّے سال کی عمر میں انتقال کیا انہوں نے مرقع چغتائی یعنی دیوان غالب کا مصور ایڈیشن لکھا تھا جسے عبدالرحمٰن چغتائی نے شائع کیا وہ کہا کرتے تھے ان کا سلسلہ تلمذ میر عماد ورشید دیلمی تک پہنچتا ہے ان کے صاحبزادے سمیع اللہ بھی خوب لکھتے تھے۔ منشی اسداللہ نہایت نیک انسان تھے اور ہمیشہ میر ممتاز علی کی کتابیں لکھتے رہے اور انہوں نے انجیل اردو لاہور کے ادارہ عیسائیت کے لئے لکھی تھی جو بہت باکمال کارنامہ خطاطی تھا ہمارے معاصر کاتبوں میں حاجی دین محمد عجیب وغریب انسان تھے جن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ انہوں نے بہت سفر کئے اور اس قدر جلی حروف میں نستعلیق اور زیبائشی کارنامے چھوڑے جو بہت لوگوں نے چھوڑے نہ ہوں گے۔ بہت ہی شگفتہ طبیعت پائی تھی اور آخر تک صحت ٹھیک رہی۔ انہوں نے غالباً ۱۹۱۰ھ میں انارکلی بازار میں ایک دیوار پر "کرنال شاپ" کا اشتہار بادشاہی مسجد کے صحن میں بیٹھ کر نستعلیق طرز میں مکمل کیا تھا اور قریب ۲۵ فٹ حرف "پ" لمبا تھا اور اسی لحاظ سے اس کی موٹائی تھی اس ضمن میں بعض دیگر واقف کاتب مثلاً عبدالقدوس علی محمد۔ منشی عبدالقادر۔ سوہدرہ میں مولوی شاہ دین اور محمد حسین فاروق۔ سید نفیس رقم و عبدالواحد اپنے اپنے ماحول میں کام کرتے ہیں اور اتفاق سے پاکستان و ہندوستان میں ہر اردو اخبار کے ساتھ قریب پچاس کی اوسط سے اعلیٰ کاتب وابستہ ہیں

نتیجہ

مَیں نے نہایت مختصر طور پر ان صفحات میں جائزہ خط اسلامی پاک و ہند میں تاریخی اعتبار سے پیش کیا ہے اس عرصہ قریب دس صدیوں میں خط اسلامی کی بدولت وہ کارنامے وقوع میں آئے کہ آج کوئی اور ملک پیش نہیں کر سکتا اور اس خط کا ہی اثر تھا کہ اسلام کی تبلیغ بھی ہوئی یعنی غیر مسلم کاتب و ماہر بھی لکھنے والے بھی میسر آ گئے اس طرح ایسے ایسے

خاندان اور ماہر اشخاص ہوئے، کہ آج ہماری تاریخ کو ان پر ناز ہے جہاں تک خطاطی کی روایات کا تعلق ہے محض پاکستان ایک واحد ملک رہ گیا ہے جہاں اسے فروغ حاصل ہے اور یہ تمام یہاں کے روزناموں اور کتب اردو اور فارسی اور عربی کی وجہ سے ہے جو یہاں ہر روز ہزاروں کی تعداد میں چھپتے ہیں اور ملک کے لاکھوں افراد اس سے مستفید ہوتے ہیں اگر ہم ایک اردو اخبار ان میں سے اٹھا کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ محض ایک کاتب نے اس اخبار کے اندر تمام ظاہری جاہ وجلال اپنے خط سے پیدا کیا ہے اور ضرورت موقع کے اعتبار سے خط کی انواع کو خود بخود اختراع کر کے اسے ایک اہم فریضہ بنا دیا ہے۔ ان اخباروں میں عنوان خاص کر اس عمدگی سے دلکش ہوتے ہیں کہ انسان ایک مرتبہ ضرور ان کا مطالعہ کرتا ہے اس کے علاوہ ہر اخبار نے اپنے ہاں خاص کاتب تعین کئے ہوئے ہیں جو اس نہج پر اخباروں کے عنوان لکھتے ہیں میں یہ سمجھتا ہوں کہ کتابت ان حالات کے اعتبار سے انقلاب عظیم ہے اگرچہ اس قسم کی کتابت بوجہ استعمال ٹائپ دیگر ممالک سے ختم ہو چکی ہے۔

تاریخ لاہور کے مصنفین نے مسجد وزیر خاں کو کتابوں کی فراہمی کا ایک مرکزی ادارہ بیان کیا ہے جہاں کتّاب۔ نقّاش۔ صحّاف۔ وراق وغیرہ مسجد کے حجروں اور دکانوں میں کتاب کی خدمت کرتے تھے پنجاب کے علمائے کرام ان سے مستفید ہوتے تھے ہمارے عزیزوں کے پاس وہاں مسجد کے اندر قدیم عہد سے ایک حجرہ نقاشاں نام سے تھا۔ آخیر زمانہ میں ان میں سے میاں عمرالدین نقاش مشہور تھے۔ ان کے بعد ان کا لڑکا میاں میراں بخش نقاش کام کرتا تھا جن کے بعد ان کا لڑکا میاں محمد حیات نقاشی کرتا رہا جو راقم کا پھوپھی زاد بھائی تھا۔ یہ خاندان فن کتابت سے خوب واقف تھا۔ حاجی دین محمد و دیگر کاتبوں کو میں نے اکثر وہاں دیکھا۔ میاں محمد حیات بعمر پچاسی سال، ۷ اگست ۱۹۶۷ء انتقال کر گئے

افسوس آج نئے انداز فکر نے ہماری مطبوعات کو ٹائپ نے جلا دی ہے جو بیشک ایک الگ کردار ہے مگر اس کے ساتھ ہماری پرانی روایات خطاطی کو بہت ضعف پہنچا ہے۔ بہرحال مختصر طور پر میں نے اپنے زمانہ تک اسلامی خطاطی کا مظاہرہ پیش کر دیا ہے۔ اور اس مختصر بیان میں ایک معذرت یہ بھی ہے کہ تمام کاتبوں کا ذکر ان کا نام کے ساتھ بیان کیا جائے اور تمام امور متعلقہ خطاطی بیان کر دیئے جائیں جس کے لئے میں معذور ہوں۔

احقر العباد محمد عبداللہ چغتائی

تعلیقات و تفصیلات

اسلامی خطاطی کے متعلق مندرجہ بالا صفحات کے علاوہ مزید وضاحت کے لئے خطاطی کے بعض نمونوں کو بھی شائع کیا ہے تاکہ قارئین کرام ان ہر دو کو مدنظر رکھیں، اسلامی خطاطی دراصل تمام دنیا میں یکساں فنی کیفیت کا اظہار ہے خواہ جہاں بھی ہو اس ضمن میں بعض نمونے بنگلہ دیش و گجرات (کاٹھیاواڑ) سے یہاں شائع کئے گئے ہیں اور اتفاق سے وہ ایک ہی صدی کے ہیں ان میں فنی کیفیت یکساں نظر آئے گی یعنی بین الاقوامی یکجہتی اور اظہار ملے گا، نمونوں کے نمبر شمار کو یہاں اوّل درج کیا گیا ہے۔

۱- کراچی سے ٹھٹھہ جاتے ہوئے راستہ میں مقام بھنبھور ندی کے کنارے واقع ہے، وہاں محکمہ آثار قدیمہ کو کھدائی کرتے ہوئے قدیم مندر سے یہاں شائع کردہ کوفی طرز میں سنگ مرمر پہ دستیاب ہوئے جن سے معلوم ہوا کہ وہ مسجد سے متعلق ہیں اور تیسری صدی ہجری کے ہیں، اتفاق سے مقام صیراف خلیج فارس سے بھی کوفی طرز میں مسجد سے متعلق کتبات میسر آئے یعنے بھنبھور اور صیراف کے کتبات میں ایک ہی طرز اور زمانہ کے ہیں۔

۲- اس کے لئے متن کتاب کا صـ۷ مطالعہ کرنا بہتر ہوگا۔

۳- لوح قبر سنگ مرمر پر پرنس ویلنز میوزیم بمبئی میں محفوظ ہے کوفی طرز میں مادر محمد بن اقبال سولیٰ احمد بن محمد البعلبکی کا انتقال ۳۴۴ھ میں ہوا

۴- لوح قبر سیاہ سنگ مرمر پرنس آف ویلنز میوزیم بمبئی سے ہے، اُوپر کے نقش ونگار و ایات کو چھوڑ کر نیچے لکھا "ھذا القبر الغرۃ۔ الفاضلہ امیر عبداللہ سولیٰ السلطان الاجل۔ توفیت لعنوان آخرہ یوم من شہر رمضان ۵۶۳ھ۔ نقش محمد بن برکات بن حرمی۔

۸-۵ کتبات بخط نسخ، ثلث، طغریٰ و کوفی از مسجد قوۃ الاسلام دہلی، جن میں ۵۸۷ھ ۵۸۶ و ۵۹۴ھ کے ہیں، مسجد کو قطب الدین ایبک نے بعد فتح دہلی تعمیر کیا اور سلطان معزالدین محمد بن سام نے اس کا افتتاح کیا متن صـ۸-۹۔

۹- اجمیر کی قدیم مسجد جسے اڑھائی روز کا جھونپڑہ بھی کہتے ہیں اس کا ایوان کا درمیانی حصہ کتبات سے مزین ہے، مقام اجمیر کو سلطان معزالدین محمد نے ۵۹۵ھ میں ختم کر کے مسجد تعمیر کی تھی مگر اس کی تکمیل سلطان شمس الدین ایلتمش نے ۶۱۴ھ میں کی تھی۔ جو اس کے ماتھے پر لکھا ہے، یہ کتبات اندرون اور بیرون مسجد طرز نسخ، ثلث طغریٰ وغیرہ سنگ سرخ پر کندہ ہیں، محراب پہ اندر ابوبکر بن احمد کا نام لکھا ہے جو

معمارِ مسجد تھا۔

۱۰۔ کتبہ بخط ثلث از غدیر (حوض)، مقام کھاٹو (راجپوتانہ) سے لیا ہے اس کی پیمائش ۳۸×۲۸ انچ ہے اسے سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں مسعود بن احمد عمر الخلج نے ماہ رمضان ۶۲۹ھ میں تعمیر کیا۔

۱۱۔ کتبات از قبر سلطان شمس الدین التمش دہلی متوفی ۶۳۲ھ مختلف اقسامِ خط واضح ہیں۔

۱۲۔ قدیم مسجد کھنبایت (گجرات)، جو ۱۷ ماہ رمضان بروز پیر ۷۷۶ھ تعمیر ہوئی اس کے لئے دکانیں وغیرہ وقف کی گئیں ہیں، کتبہ کا خط نسخ ہے۔

۱۳۔ ریاست اندور میں مقام دھار میں مشہور درگاہ کمال مولیٰ ہے جس سے یہ کتبہ لیا گیا ہے اگرچہ یہ کتبہ مسجد سے متعلق ہے جس کی تعمیر ۷۹۵ھ میں بعہد سلطان محمود شاہ تغلق ہوئی۔

۱۴۔ سلطنت مانڈو کے بادشاہ محمود خلجی کے والد ہمایوں خاں کا کتبہ ہے جو وہاں ساغر جھیل کے قریب ہے جس پر لکھا ہے الغ اعظم نے مسجد ماہ رجب بروز جمعہ ۸۲۵ھ میں تعمیر کی تھی یہ خط ثلث ہے

۱۵-۱۹۔ یہ کتبات خط ثلث، نسخ وطغری میں مقام بیانہ کے ہیں جن کو ۱۹۰۴ء میں میں نے خود حاصل کیا تھا، اوّل قاضی سید مغیث الدین عہد بادشاہ علاء الدین خلجی ۷۰۵ھ کا ہے جسکو بادشاہ نے جاگیر عطاء کی تھی، باقی کتبات اوحدی خاندان کے ہیں جن کی سلطنت یہاں سو اسو سال رہی یعنے اوحدخاں کا کتبہ ۸۴۳ھ ہجری کا ہے، خط کے اعتبار سے کتاب کا صفحہ ۱۳ ملاحظہ ہو۔

۲۰۔ گجرات کے ضلع کیرا کے گاؤں کپڑ ونج سے یہ کتبہ ہمایوں فیروز شاہ کے عہد میں مسجد کے متعلق ہے جسے ظفر خاں نے ۷۷۲ھ میں تعمیر کیا۔ کتبہ پر نہایت بے ساختگی سے کاتب عثمان اقبال خلاط نے اپنا نام لکھا ہے۔

۲۱۔ خط کا یہ نمونہ دراصل ایک کتبہ مقام منچ پور سے مسجد کے متعلق ۱۰۸ء میں لکھا گیا۔

۲۲۔ یہ طغریٰ نما خط ثلث میں کتبہ دراصل شہر احمد آباد کی مسجد مانک چوک کا ہے احمد بادشاہ گجرات کے عہد ۸۲۷ھ کا ہے جس کے نام پر احمد آباد بسا تھا

۲۳۔ یہ آخیر ورق تفسیر مدارک کی جلد دوم کا ہے جسے "محمود بن ابراہیم" نے بوقت ظہر لکھا ہے اس ورق پر کتابت میں اہتمام کیا گیا ہے کہ قرآن کریم کا متن خط بہار اور تفسیر عام خط نسخ میں آٹھویں صدی کا۔

۲۴۔ قرآن کریم کا ایک صفحہ خط بہار میں ہے افسوس کاتب کا نام نہیں متن کتاب کا صـ۱۵ ملاحظہ ہو۔

۲۵۔ قرآن کریم کا اوّل صفحہ کشمیر میں لکھا گیا، جہاں عام طور پر ایسے قرآن تیار کیے جاتے تھے۔

۲۶-۲۸ یہ ہر سہ صفحات پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مخطوطات سے لئے گئے ہیں جو ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں نمونہ ۲۸ کو باقاعدہ مذہب و مطلا بھی کیا گیا ہے۔

۲۹-۳۱۔ جیسا کہ ابتداء میں وضاحت کی ہے یہ عربی رسم الخط کے نمونے دراصل بنگال اور گجرات (کاٹھیاواڑ) سے ---- اور ۸۶۱ھ ۸۷۵ھ سالوں سے تعلق رکھتے ہیں، اگرچہ آپس میں جغرافیائی اعتبار سے بالکل الگ الگ ہیں، مگر خط طغرٰی نما نسخ میں ایک ہی مقام کے معلوم ہوتے ہیں۔

۳۲-۳۴۔ گرچہ یہ تمام ایک مخطوط مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری سے لیا گیا ہے جس کو عربی رسم الخط میں ہر دو عربی اور فارسی زبانیں لکھی ہوئی ہیں، ویسے خط نسخ ہے مگر اس کے بائیں اوپر کونے میں ایک الگ کتبہ عہد ظہیر الدین بابر بادشاہ کا مسجد سے متعلق ہے جو مقام اجودین میں تیار ہوئی تھی اور اس کے مقابل دائیں کونہ میں اوپر ایک تحریر عبدالرحیم بن محمد بیرم ۹۹۳ھ کی ہے اگرچہ اس کے اوپر بائیں کونہ میں دو مہریں بھی ہیں اس کے لئے متن کتاب صہ۲۴، صہ۴۵ مطالعہ کریں۔

۳۵-۴۱۔ یہ تمام کتبات شمس الدین اتگہ خاں کے روضہ سے متعلق ہیں جو اتفاق سے احاطہ نظام الدین اولیاء دہلی میں محفوظ ہے۔ ان تمام کتبات کو کاتب باقی محمد بخاری نے لکھا ہے، ان نمونوں میں خط ثلث، نسخ، طغرٰی وغیرہ شامل ہیں درمیانی کتبہ سے واضح ہے کہ اس روضہ کو استاد خدا قلی نے ۹۷۴ھ میں تعمیر کیا تھا۔

۴۲۔ مصور مخطوط طوطی نامہ بخط نسخ عہد اکبر کا امریکہ کے کلولینڈ عجائب گھر میں محفوظ ہے اور باقی ڈھیلے الگ نسخے، رباعیات عمر خیام کے ہیں اس مخطوطہ کو کاتب یا مصور عبداللطیف نے ماہ رجب ۱۰۳۳ھ میں تیار کیا ہے۔

۴۵-۴۶۔ کاتب سلطان بایزید ابن نظام دوری نے ماہ محرم ۹۷۲ھ میں امیر خسرو کی کتاب دول رانی کو لکھا ہے یہ نسخہ ریاست کپورتھلہ میں محفوظ ہے اس طرح اس کاتب کو کاتب الملک کا خطاب ملا جس کا ایک عکس ناگور سے حاصل کر کے یہاں دیا جاتا ہے، غرضکہ دوری کاتب کے لئے کتاب کا متن صہ۲۷ - صہ۲۹۔

۴۷۔ متاخر زمانہ یعنے بارہویں صدی ہجری میں جب کہ شکستہ خط لکھنے میں مولانا حیات علی بہت مشہور تھے انہوں نے اقبال نامہ جہانگیری کا نسخہ بخط شکستہ لکھا۔ جس کا ترقیمہ یوں ہے "اقبال نامہ جہانگیری من قلم اعجاز رقم جہاں مولانا حیات علی عفی عنہ۔ یہ نسخہ کتابخانہ مولوی شفیع میں ہے

۴۸-۴۹۔ یہ ہر دو ترقیمہ رزم نامہ کے ہیں۔ اول کے آخر لکھا ہے با اہتمام شریف عبدالصمد تیار ہوا، اس کے لئے متن کتاب صہ۳۸ سے ام مطالعہ کریں ویسے یہ نسخہ جے پور کے پوتھی خانہ میں محفوظ ہے۔

۵۰/۵۱ یہ دراصل مخطوط تیمور نامہ مولانا یزدی کا ابتدائی صفحہ جب بعہد اکبر میں آیا اور اکبر کے کتابخانہ میں محفوظ ہو کر اورنگ زیب کے عہد تک رہا۔ ترقیمہ سے واضح ہے اسے کاتب شیر علی نے ۱۰۰۳ھ میں نستعلیق میں لکھا اور بہزاد ونا سے مصور کیا اس مخطوط پر منعم کا بھی نام ہے متن کتاب صہ۴۵ ملاحظہ ہو۔

۵۲،۵۴۔ یہ دراصل تین عکس ہیں اوّل دو ہفت پیکر نظامی سے ہیں اور تیسرا نسخہ نظامی سے ہے اوّل بالٹی مور امریکہ کی والٹر آرٹ گیلری سے اور دوسرا نسخہ از لائبریری پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ہے، اوّل نسخہ ۸۸۸ھ کا لکھا ہوا ہے مگر کسی نے اسے ۹۸۸ھ کا کر دیا ہے اور دوسرا نسخہ ۸۸۷ کا ہے۔

۵۵،۵۸۔ عہد اکبر کے نستعلیق نویسوں کی ذاتی تصاویر اپنی اپنی نشست پر ہیں متن کتاب ص۲۳ سے ۳۵ مطالعہ کریں۔

۵۹،۶۱ نستعلیق کتابت کے نمونے سندھ کے مختلف آثاروں سے لئے گئے ہیں۔

۶۲۔ یہ ہر دو صفحات پنجاب یونیورسٹی لائبریری سے میسر آئے ہیں جو علاوہ خطاطی کے منقش بھی ہیں، درمیان میں دائرہ میں "محمد نظام الدین خاں طرز نستعلیق میں لکھا ہے اسی صفحہ کے اُوپر لکھا ہے" ہو جمال الدین لقب یاقوت مستعصی الخ اس کے مقابل صفحہ پر بھی اسی طرح نقش ہیں یہاں دو تین تحریر ہیں مگر ایک سے واضح ہے کہ اس نسخہ بحکم اشرف و بمہر اقدس حضرت ابو المظفر نور الدین جہانگیر الخ۔ از خط من کلام اللہ۔ یاقوت المستعصی استنساخ۔ نقل نمودہ در خزانہ عامرہ حضرت بادشاہ موجودہ است، ایک اور تحریر میں یاقوت کے ترقیمہ کو نقل کیا ہے جس سے اواخر رمضان ۶۶۸ھ ملتے ہیں۔ یعنے اساتذہ کے نمونوں کو اس طرح محفوظ کیا جاتا تھا۔

۶۳۔ نمونہ کتابت از عبد الرحیم الہروی عنبریں قلم جو آگرہ میں ۱۰۳۴ھ میں لکھا گیا۔

۶۴،۶۵۔ نمونہ کتابت از میر محمد باقر بن میر علی الہروی و نمونہ کتابت از ہدایت اللہ زریں قلم۔

۶۶۔ ترقیمہ دیوان طالب آملی جسے محمد حسین نے بعہد جہانگیر لکھا ہے۔

۶۷،۶۸۔ کتبات از مسجد وزیر خاں لاہور جو نستعلیق طرز کتابت محمد علی ہے جو حضرت میاں میر کا مرید تھا۔

۶۹،۷۲۔ مسکوکات عہد مغلیہ جن پر خطاطی واضح ہے، ۷۰، ۷۱، کتبات روضہ اکبر و تاج محل آگرہ بخط ثلث۔

۷۷،۷۸۔ رشید دیلمی جس کے لئے متن کتاب ص۶۲، ۶۹ ملاحظہ ہو۔ مرقع دارا شکوہ سرورق۔

۷۹۔ ترقیمہ خط شکستہ جعفر خاں بعہد اورنگ زیب ۱۰۸۶ھ متن کتاب ص۲، ۷۴، مطالعہ کریں

۸۰،۸۴۔ مختلف طرز میں اسلامی خطاطی ۸۵۔ آخیر صفحہ شاہنامہ ہاٹن لائبریری امریکہ سے ہے جو اجیت سنگھ کیلئے عہد فرخ سیر ۱۱۳۲ھ میں شیخ خلیلی ہفت قلمی نے لاہور میں لکھا۔

۸۵،۸۶۔ ہر دو نمونے نستعلیق اول حافظ نور اللہ اور دوسرا امام بیردی کا ہے۔

تصنیفات ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی

۱- The *Badshahi Masjid*, History and Architecture
صفحات قریباً ۷۰ بڑا سائز ۲۶ صفحات پلیٹ (۲۲ × ۲۹/۴)

۲- بادشاہی مسجد لاہور (۱۸ × ۲۳/۴) (اردو) تصاویر ۱۳۔

۳- تاریخ نقش نگار، (۲۰ × ۳۰/۸) ایک سو سے زائد صفحات اور تصاویر ۶۵ صفحات پلیٹ۔

۴- تاج محل آگرہ Le Tadj Mahal d'Agra (French) Brusselles. 1938. (۲۰ × ۳۰/۸) ۱۸۴ صفحات و ۶۵ تصاویر - اردو اشاعت۔

۵- Painting during the Sultanate Period—1963.

۶- بابا فرید شکر گنج، درگاہ پاک پتن۔ (انگریزی) Pakpattan and Baba Farid Ganj-i-Shakar.

۷- لاہور میں موجود قدیم ترین اسلامی عمارت۔ (انگریزی) (۲۰ × ۲۶/۸) مع تصاویر - The Oldest Extant Muslim Architectural Relic at Lahore.

۸- سیرۃ حضرت بلال رضؓ - (۲۰ × ۲۶/۸) دو پلیٹ تصاویر و صفحات ۱۹۲ اعلیٰ کپڑے کی جلد۔

۹- مغربی آرٹ کی مختصر تاریخ (۲۰ × ۲۶/۸) ۶۱ صفحات۔

۱۰- فنون لطیفہ بعہد اورنگ زیب عالم گیر (۱۷ × ۲۷/۸)۔

۱۱- جہانگیر کا ذوق مصوری - (۲۰ × ۲۶/۸) صفحات ۳۰۔

۱۲- حالات ہنروراں - تصنیف دوست محمد کتابدار ۹۵۲ھ (۱۷ × ۲۷/۸) تذکرہ خطاطان و نقاشاں۔

۱۳- رسالہ نستعلیق - ۹۸۹ھ (۱۷ × ۲۷/۸) فن خط و تذکرہ۔

۱۴- قوانین خطوط - مصنف محمود بن محمد - ۹۹۰ھ تاریخ خط۔

۱۵- علم الکتابت - مصنفہ ابو حیان توحیدی معروف ۴۱۴ھ تاریخ خط (۲۰ × ۲۹/۸) تین پلیٹ تصاویر۔

۱۶- رسالہ میر علی تبریزی خط نستعلیق (۲۰ × ۳۰/۱۶)۔

۱۷- علم پروری و ہنر شناسی - حالات و کیفیت مصنفین۔

۱۸- کھٹو - راجستھان کی ایک تاریخی بستی (۱۸ × ۲۳/۸)۔

۱۹- سودھرہ - پنجاب کی قدیم تاریخی بستی (۲۰ × ۲۶/۸)۔

۲۰- تاریخ مظفر شاہی معرکہ گجرات و مالوہ ۹۲۰ھ [illegible] نعی۔

۲۱- ملحق - سیرالاخبار - از شیخ محمد بیگ نقشبندی [illegible] ری۔ ۱۱۰۱ھ عربی زبان میں تاریخ ہندوستان۔

۲۲- لاہور کی کہانی آثار کی زبانی۔

۲۳- تاریخی آثار - گرد انجینیرنگ یونیورسٹی لا[illegible] تصاویر۔

۲۴- مسجد نبوی - مدینہ منورہ - مصور (۲۳/۴ [illegible])

۲۵- مساجد عالم پر مبسوط مقدمہ اور تاریخی [illegible]

۲۶- سرگذشت خط نستعلیق مع ۴۵ پلیٹ ے [illegible] ط کے نمونے۔

۲۷- لاہور سکھوں کے عہد میں - (۲۰ × ۳۰/۱۶) مع ۲ تصاویر قدیم مسجد شہید گنج۔

۲۸- ظفر خان اور اس کا مصور کلام - (۲۰ × ۳۰/۸) مع چند اہم تصاویر عہد شاہجہان از مصور بشنداس۔

۲۹- پنجاب میں مصوری کی ایکصدی - (انگریزی)

۳۰- وقائع سیالکوٹ مصنفہ محمد مقیم بن رحمۃ اللہ ۱۰۷۱ھ۔

۳۱- اسلامی مصوری - ترمیم شدہ اشاعت (۱۷ × ۲۷/۸)۔

۳۲- اسلامی کوزہ گری - (۱۷ × ۲۷/۸) مصور۔

۳۳- نمائش اسلامی ثقافت ۱۹۵۸ء (۲۰ × ۲۶/۸) (انگریزی)۔

۳۴- احمد معمار لاہوری اور اس کا خاندان۔

۳۵- علامہ اقبال اور سید سلیمان ندوی - لاہور کی علمی مجالس۔

۳۶- طبقات ناصری: (فارسی) طبقات متعلق تاریخ ہند۔

۳۷- سید سلیمان ندوی اور ان کے چند خطوط (۲۰ × ۳۰/۸)۔

۳۸- مثنوی نل دمن فیضی - نسخہ ۴ تصاویر - (۱۸ × ۲۳/۴)

۳۹- محمد بن تغلق سلطان - (انگریزی ترجمہ از عربی۔

۴۰- تمدنی - ثقافتی - جغرافیائی - مذہبی اسباب کا اثر ارتقاء فن اسلامی تعمیر پر۔

۴۱- واقعات عالم گیری - عاقل خان رازی (۱۱۰۸ھ) فارسی۔

۴۲- منظوم تاریخ سلاطین بہمنیہ - ۱۲۰۰ھ اردو۔

۴۳- قدیم مساجد ہند و پاکستان اور ان کا فن تعمیر۔

۴۴- فن تعمیر (اردو) یونیسکو کے منصوبہ کے تحت لکھا گیا۔

۴۵- فتوحات فیروز شاہی (فارسی متن و ترجمہ) (۱۸ × ۲۳/۸)۔

۴۶- Miniature—Painting from Pakistan. پاکستان میں مصوری کی داستان۔

۴۷- موسم گل کی یادگار (شالامار باغ) (۱۸ × ۲۳/۴)۔

۴۸- اسلامی فن تعمیر ہند و پاک پر ایران و توران کا اثر

۴۹- قرآن کریم میں آثار و تعمیر کا مختصر مطالعہ۔

۵۰- قلعہ لاہور کی مختصر تاریخ مع قدیم نقشہ قلعہ۔

۵۱- 'اقبال کی صحبت میں' تذکرہ (زیر طبع)۔

۵۲- روایات متعلق اقبال از احباب اقبال (زیر طبع)۔

۵۳- Some Aspects of Muslim Architecture.

۵۴- آئینہ لاہور (اقتباسات) زیر طباعت - (تاریخ لاہور)

۵۵- تمدن ہند میں دکن کا حصہ، اردو انگریزی ۱۹۳۶ء۔

۵۶- مساجد سمرقند - اسلامی فن تعمیر میں ہندوستان کے وسط ایشیا سے تعلقات (انگریزی) The Mosques of Samarqand—Indian links with Centrral Asia in Architecture.

۵۷- The Illustrated Edition of the Razm Nama.

۵۸- ڈکشنری - مصورین ممالک اسلامیہ (انگریزی) A Dictionary of Miniature—Painters from Islamic Countries—(in preparation) (زیر ترتیب).

۵۹- کمال الدین بہزاد مصور - اردو و انگریزی مع تصاویر۔

۶۰- Lahore During the Mediaeval Period (in Pre[illegible]

۶۱- Lustered Tiles from Samarra in the Ashmolean Museum, Oxford 1933.

۶۲- Muslim Monuments of Ahmadabad Through their Inscriptions, with several plates, 1940.

۶۳- Nagour a Forgotten Kingdom, 1942.

مکمل فہرست طلب فرمائیں

۱- مسجد وزیر خان لاہور، (انگریزی و اردو مع ۲۶ پلیٹ تصاویر) بڑا سائز

۲- Taxila Revisited with many illustrations

۳- سر گذشت خط نستعلیق (۴۰ صفحات تصاویر و ۲۰۰ صفحات)

۴- ہمارا جمالیاتی سرمایہ (تعمیر - تحریر - تصویر)

۵- ہند و پاک میں اسلامی خط کا تاریخی جائزہ (چالیس صفحات تصاویر و ۲۰۰ صفحات)

۶- تعمیر مساجد کی ابتدائی تاریخ

۷- اسلامی خطاطی - (چند نمونے شامل ہیں)